تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والدین، اولاد اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (متفق علیہ)

پاکستان میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا پندرہ روزہ (تصدیق شدہ اشاعت)

پندرہ روزہ

جہادِ کشمیر

مظفرآباد - راولپنڈی

یکم تا ۳۰ جون ۲۰۱۶ء

تحفظ ناموس رسالت نمبر

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحاؐ کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا



شہید جس نے بدن کے بدلے حیاتِ دائم خرید کی

غازی علم دین سے غازی ممتاز قادری تک عشاقِ رسول ﷺ کی روح پرور کہانیاں

اللہ شہادت قبول فرمالے، تو اس سے بڑی خوشی کیا ہو سکتی ہے

غازی مولانا مطیع الرحمٰن نظامی شہید... رحم کی اپیل کے بجائے تختہ دار پسند کر لیا

گستاخان رسولؐ اور ناموسِ رسالتؐ

راج پال کی طرح رسول اکرمؐ کی دشمن... عاصمہ جہانگیر

قانون تحفظ ناموس رسالتؐ کے خلاف طویل اور شرمناک جدوجہد

کیا ممتاز قادری شہید کو پھانسی دینا جائز تھا؟

مولانا عبدالمالک نے اس فیصلے کے شرعی اور آئینی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے

۲۹۵۔سی قرآن وسنت سے ثابت اللہ کا قانون ہے

پاکستان کے حکمران ۱۴ سو برس سے رائج قانون کے دشمن کیوں بن گئے؟

علماء، قانون دانوں اور علم کے مختلف شعبوں سے وابستہ اصحاب کی تحریریں

مجاہد ملت اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ اور آپا نثار فاطمہؒ کی تاریخ ساز جدوجہد

رسول رحمتؐ کی توہین پر موت کی سزا کا قانون کیسے پاس ہوا... ایمان افروز کہانی

لکھنے والوں میں جناب اسماعیل قریشی، مولانا عبدالمالک، پروفیسر ساجد میر، ڈاکٹر حمیرہ طارق، جسٹس نذیر اختر، بلقیس سیف، متین خالد، محمود عالم صدیقی اور عبدالہادی احمد شامل ہیں

قیمت 100 روپے

پاکستان میں سب سے زیادہ شائع ہونے والا پندرہ روزہ (تصدیق شدہ اشاعت)

پندرہ روزہ

جہادِ کشمیر

مظفرآباد - راولپنڈی

یکم تا ۳۰ جون ۲۰۱۶ء

جلد 24 شمارہ 579-580

تحفظ ناموس رسالتؐ نمبر

قیمت 100 روپے

اس شمارے میں

اداریہ	کیا فساق وفجار سے اقتدار چھین لینے کا وقت نہیں آ گیا؟	۴
انٹرویو	قائداعظمؒ کو غیر مسلم ججوں کا سامنا تھا، میرے سامنے مسلمان جج بیٹھے تھے غازی ممتاز حسین قادری شہید کے وکیل جناب جسٹس نذیر اختر سے ایک ایمان افروز انٹرویو	۱۱
انٹرویو	شہدائے ناموس رسالت کی خوشبو رہتی دنیا تک زمین کو مہکائے گی جماعت اسلامی کی اہم رہنما اور قومی اسمبلی کی سابق رکن بلقیس سیف صاحبہ سے خصوصی انٹرویو	۱۵
شہادت اور قتل	کیا غازی ممتاز قادری شہید کو پھانسی دینا جائز تھا؟ مولانا عبدالمالک نے اس فیصلے کے شرعی، آئینی اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے	۱۹
۲۹۵ سی	توہین رسالت کا قانون 295-C اور اس کا پسِ منظر	۲۳
قانون ناموس	توہینِ رسالت کے خلاف قانون کیوں ضروری ہے؟	۲۷
قانون کا سفر	دفعہ ۲۹۵ سی...اسماعیل قریشی اور آپا نثار فاطمہ مرحومہ کی مشترکہ کاوشوں کا حاصل	۳۱
تحفظ ناموس رسالت	ناموس رسالت کا تحفظ ساری امت پر فرض ہے	۳۵
۲۹۵۔سی	پاکستانی حکومتوں کا حرمتِ رسولؐ قانون پر شب خون	۴۳
ممتاز قادری	غازی ممتاز حسین قادری شہید۔۔۔جس نے بدن کے بدلے حیات دائم خرید کی ہے ناموس رسولؐ پر قربان ہونے والے شہید کی کہانی....بڑے بھائی کی زبانی (دوسرا اور آخری حصہ)	۴۷
شہداء ناموس رسالت	غازی عبدالقیوم خان شہید ۶۳ غازی میاں محمد شہید ۷۱ غازی محمد صدیق شہید ۷۳ غازی مرید حسین شہید ۷۶ غازی عبدالرشید شہید ۶۷ (تحریر: محمود عالم صدیقی)	
گستاخی نا قابل معافی	حضور اکرمؐ پر طعن کے لیے کھلنے والی زبان کا کٹ جانا ضروری ہے	۷۹
گستاخ رسول	عاصمہ جہانگیر..جوراج پال کی طرح رسول اکرمؐ کی دشمن ہے توہین رسالت کی مجرمہ نے قانونِ تحفظِ رسالتؐ کے خلاف طویل اور شرمناک جدوجہد کی	۸۳
قانون ناموس رسالت	کیا یہ صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا قانون ہے؟	۹۷

زرتعاون

سعودی عرب 180 ریال امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا 75 امریکی ڈالر
متحدہ عرب امارات 180 درھم یورپ وافریقہ 55 امریکی ڈالر
بھارت، بنگلہ دیش، ترکی، ایران، اُردن 42 امریکی ڈالر
عمان 40 ریال پاکستان 500 روپے برطانیہ 42 پونڈ

جنرل ہیڈ کوارٹرز فیڈرل گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ سے تمام اداروں کے لیے زیر نمبر 409/6g/192 محکمہ تعلیم آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر سے زیر نمبر س ف 91/7049 مورخہ 6 جون 1991 تعلیمی اداروں کے لیے اور حکومت پنجاب کے محکمہ تعلیم کی طرف سے زیر نمبر SO(S-iv)4-23/97 تمام تعلیمی اداروں کے لیے منظور شدہ

خط وکتابت کا پتہ: عبدالہادی احمد (مدیر)

599 پارک روڈ، غوری ٹاؤن فیز III، اسلام آباد- رابطہ نمبرز: 0333-5291203 , 0345-5221027

دفتر الاکرام بلڈنگ مریڑ چوک مری روڈ راولپنڈی

فون: 051-4840537, 5829866 فیکس: 051-5962522

ای میل editorjk@gmail.com

مقام اشاعت: عیدگاہ روڈ مظفرآباد مطبع: ایف آئی پرنٹرز راولپنڈی ناشر وطابع: محمود احمد





شہدائے ناموسِ رسالت کی خوشبو رہتی دنیا تک زمین کو مہکائے گی

جماعت اسلامی کی اہم رہنما اور قومی اسمبلی کی سابق رکن بلقیس سیف صاحبہ سے خصوصی انٹرویو

محترمہ بلقیس سیف جماعت اسلامی پاکستان کے شعبہ خواتین کی اہم رہنما ہیں۔ معروف عالم دین اور جماعت اسلامی صوبہ بلوچستان کے سابق امیر مولانا عبدالعزیز مرحوم کی صاحب زادی ہیں۔ جماعت کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیتی رہی ہیں، اس وقت بھی جماعت کے ایک تدریسی ادارے کی سربراہ ہیں۔ ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۷ء تک قومی اسمبلی کی رکن رہ چکی ہیں، تحفظِ ناموسِ رسالت کے موضوع پر ان سے لیا گیا ذیل کا انٹرویو بہت اہم اور خاص ہے۔ ان کی اس گفتگو سے جہاں ناموس رسالت کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ کی ذات کے حوالے سے ایک صداقت شعار مسلمان خاتون کیا جذبات رکھتی ہے۔

ساجدہ ابصار: محترمہ خالہ جان! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، اس سال کے شروع میں پنجاب کے سابق گورنر سلمان تاثیر کے قتل کے مقدمے میں عدالتوں نے ممتاز حسین قادری کو جو سزائے موت دی تھی، حکومت نے خلاف توقع اس پر عمل درآمد کر دیا، ممتاز قادری کو پھانسی دے دی گئی، علماء اور قانون دانوں کی بڑی تعداد نے اسے عدالتی قتل قرار دیا ہے، اس پر آپ کی رائے کیا ہے؟

بلقیس سیف: جی بالکل، یہ ایک الم ناک سانحہ تھا اور پوری قوم پر لرزہ طاری کر دینے والا غم تھا جو بحرانوں کا شکار قوم پر گزرا۔ اس واقعے نے پاکستان کے عوام کو دو طبقوں میں بانٹ دیا ہے، حسب روایت لبرل طبقے پر اس واقعے کا کوئی اثر نہیں ہوا، تاہم ملک کی غالب اکثریت ریاست، عدلیہ اور حکمرانوں کے اتنے بڑے فیصلے پر ہکا بکا رہ گئی، اس میں پڑھے لکھے دین پسند لوگ بھی آتے ہیں اور کم پڑھے لکھے عام افراد بھی، جو ریاست، عدلیہ اور حکمرانوں کے اس بدترین فیصلے پر حیران بھی ہیں اور پریشان بھی۔ میں حیران ہوں کہ یہ فیصلہ کرنے والے کیسے مسلمان ہیں کہ ان کو ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ قیامت کے روز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی جانا ہے یا ان کا اس پر ایمان ہی نہیں کہ اللہ کے ہاں جواب دہی کا بھی کوئی موقع آئے گا۔ ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ عوام کو صحیح اور

ساجدہ ابصار

غلط کی پہچان کروائے، لیکن اس فیصلے سے ریاست نے لوگوں کو حیران و پریشان ایک دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ وہ لوگ جن کو ملک کے آئین کی پاس داری اور حفاظت کرنی تھی، وہی آئین شکنی پر تل گئے ہیں، جب باڑ ہی فصل کو کھانے لگے، تو عوام کہاں جائیں، کس سے داد چاہیں۔ عوام کو سمجھ ہی نہیں آ رہی کہ وہ کس طرف جائیں۔ حکمرانوں نے اس معاملے میں جتنی جلد بازی دکھائی ہے وہ اور بھی زیادہ حیران کن ہے۔ انہوں نے یہ سب اپنے بیرونی آقاؤں اور اسلام دشمن طاقتوں کی پروردہ این جی اوز کے کہنے پر کیا ہے۔ ان کی اپنی نہ تو کوئی خارجہ پالیسی ہے نہ داخلی پالیسی ہے۔ ان بد بخت حکمرانوں کی وجہ سے پوری مسلم امہ اس وقت کفر کے زیر عتاب ہے۔ عدالت کے اس فیصلے نے انصاف کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کو دیوار سے لگایا جا رہا ہے۔ اس فیصلے سے لوگوں کو تقسیم کیا گیا ہے، نظریاتی تقسیم کی شروعات تو پہلے سے ہو چکی تھی جو اس فیصلے سے مزید گہری ہو گئی ہے، لیکن یہ اس عالمی سازش کی سب سے اہم کڑی ہے، پاکستان اور اسلام کے دشمن چاہتے ہیں کہ اس ملک کے لوگ آپس میں لڑیں بھڑیں۔ یہ ہمیں ایمان سے محروم کرنا چاہتے ہیں، حب رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کے بغیر تو ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا۔

غازی ممتاز حسین قادری کو پھانسی دے کر ان لوگوں نے کیا ثابت کیا؟ یہی کہ ان کے دلوں میں حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں، وہ اس پر کھڑے نہیں ہو سکتے، اگر ہم احتجاج کرتے ہیں اور ریاست ہمارا ساتھ نہیں دیتی تو یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ریاست ان بد بخت لوگوں کے ساتھ ہے جو اپنے آپ کو لادین کہتے ہیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کیا۔ ان حکمران نے یہ ثابت کیا کہ یہ رسولؐ کے غلام نہیں، بلکہ یہ تو غلاموں کے غلام ہیں۔ حکمران اگر اس ملک میں امن امان چاہتے، صبر و برداشت اور تحمل کی سیاست چاہتے، تو ان کو ہماری حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تھی۔ حکومت قوم کی رہنما

ہوتی ہے، حکومتیں عوام کے لیے ایثار اور قربانی کرتی ہیں،ان کو لوٹ کر ان کی دولت سمیٹ کر باہر نہیں لے جاتیں۔اس وقت ملک کے جو حالات ہیں جہالت، غربت،بدیانتی اور بدامنی ہے،یہ سب حکومت کے غلط فیصلوں کا نتیجہ ہے۔سارے کام زبانی کلامی ہوتے ہیں عمل درآمد کہیں نظر نہیں آتا۔ان کی بے راہ روی کے نتیجے میں جو عمومی رویہ سامنے آرہا ہے،وہ بیگانگی اور اجنبیت کا ہے،یہ کسی معاملے میں بھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ان کو نہ تو نظریے سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی یہ محبِ وطن ہیں۔اپنے لوگوں کو پھانسی دینے کا فیصلہ تو راتوں رات کر لیا گیا،لیکن شکیل آفریدی جو غدار ملت اور غدار قوم ہے،اس کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کو لٹکا دیا جاتا،تاکہ وہ وطن سے غداری کرنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بن جاتا۔مگر ان کے اندر تو اپنے ملک کے لیے بھی غیرت نہیں ہے۔

☆ آپ جماعت اسلامی کے شعبہ خواتین کی ذمے دار اور اہم رہنما ہیں، جناب ممتاز قادری کو پھانسی دینے پر جماعت کی خواتین کا ردعمل کیا رہا،آپ کے خیال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عزت و ناموس کے حوالے سے ہمارے جذبات کیا ہونے چاہئیں؟

☆☆ یقیناً یہ ایک حوصلہ شکن اور اعصاب شکن موقع تھا،اللہ کے رسول ﷺ کی محبت اور آپ کی عزت و حرمت پر مرمٹنا ہر مسلمان کی آرزو ہوتی ہے،لیکن اگر آپ کی نظروں کے سامنے ایک ایسے شخص کو عدالتی اور حکومتی وسائل اور طاقت کے بل پر قتل کر دیا جائے اور آپ کچھ نہ کر سکیں،بے بسی سے دیکھتے رہیں،تو دل سے خون تو ٹپکتا ہے۔ہم اپنے شہید بیٹے کے ایصالِ ثواب کے لیے دعائیں مانگتے رہے اور ان بدنصیب ظالموں کے حق میں مسنون دعا کی کہ اللہ ان سے چن چن کر بدلہ لے۔اللّٰھُمَّ لا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لا یَرْحَمُنَا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔جہاں تک آپ کے اس سوال کا تعلق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کے معاملے میں خواتین کا رویہ کیا ہونا چاہیے تو اس سلسلے میں یہ حدیث ہماری رہنمائی کرتی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یؤمن احدکم حتی أکون أحبَّ إلیه من ولده ووالده والناس اجمعین (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنی اولاد، ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں) اس میں خواتین کے لیے بھی خاص پیغام ہے۔

خواتین پر لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے بچوں کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیں۔اس لیے کہ محبت کے بغیر اطاعت کا جذبہ پروان چڑھ ہی نہیں سکتا اور محبت کے بغیر آپ کے ناموس اور حرمت کے لیے ڈٹ جانا بھی ممکن نہیں۔سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۷ ہمیں بتاتی ہے کہ اطاعت ترک کرنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بجائے نفرت کرنے اور اللہ کے رسول کو ایذا دینے کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑ سکتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَه لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے) حب رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کے پہلو سے دیکھیں، تو خواتین کی ذمے داریاں بہت زیادہ ہیں۔خاتون پر گھر داری کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کی ذمے داری بھی ہوتی ہے،شوہر کا ساتھ دینا،بہن بھائیوں کے ساتھ تعلق رکھنا،اپنے خاندان کی اجتماعیت میں مثبت کردار ادا کرنا، اس کے علاوہ اپنے ماحول میں،جہاں ہمارا میل جول ہوتا ہے،بات چیت ہوتی ہے....یہ وسیع حلقہ ہمارے کام کا میدان ہے،ان سب لوگوں کے اندر حبِ رسول ﷺ اور اطاعت رسول ﷺ کے جذبے کو ابھارنا ہم پر فرض ہے۔ہمارے معاشرے میں اس وقت تک امن نہیں آ سکتا،ہمارے گھر کی فضا پرسکون نہیں ہو سکتی، ہمارے بچے فرمانبردار نہیں ہو سکتے جب تک ہم انہیں اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت نہ سکھائیں۔میں سمجھتی ہوں خواتین کو فکر معاش سے آزاد رکھا گیا ہے،ان کے پاس اللہ کے دین کو سیکھنے ،احادیث کو سمجھنے کا خاصا وقت ہوتا ہے۔وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی پوری کوشش کریں۔ان کا عمل ان کے بچوں،سسرال،اہل محلہ اور خاندان کے لیے نمونہ ہو،یعنی رول ماڈل بننا ہی اصل میں مطلوب ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ازواج مطہرات اور صحابیات ہر قدم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں،دین کو سیکھنے اور سکھانے میں سرگرم عمل رہتی تھیں،اس کی وجہ ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت تھی۔خواتین کی ذمہ داری اس لیے بھی بہت زیادہ ہے کہ ماں کی گود کو بچے کی پہلی درس گاہ کہا گیا ہے۔بچے کی یہی عمر ہوتی ہے جب اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو راسخ کیا جاتا ہے۔بغیر کسی علم ،دلیل اور محبت کے نہ تو ہم خود دوسروں سے جڑ سکتے ہیں، نہ اپنے بچوں کو جوڑ سکتے ہیں۔اس کے لیے خواتین کو دین کا علم بھی ہونا چاہیے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے تقاضوں کا علم بھی ہونا چاہیے اور سب سے بڑھ کر ان کا اپنا عمل رول ماڈل بھی ہونا چاہیے۔ہمارے سامنے یہ مثال ہونی چاہیے کہ جب عاصمہ جہانگیر نے کسی تقریب میں آپ ؐ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو جماعت اسلامی کی رکن قومی اسمبلی آپا نثار فاطمہ خاموش بیٹھی نہیں رہیں۔انہوں نے اسماعیل قریشی صاحب کی معاونت سے قانون توہین رسالت کے خلاف بل تیار کر کے اسمبلی میں پیش کر دیا اور اس وقت تک اپنی کوششیں جاری رکھیں جب تک یہ بل منظور ہو کر آئین کا حصہ نہیں بن گیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین علم وفہم میں،آپ ؐ سے محبت میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔لہٰذا خواتین جہاں بھی ہوں ان کو آپ کی عزت و ناموس کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔خوشی اور غمی کے موقعے پر ہونے والی تقریبات میں جہاں کہیں بھی وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی دیکھیں،منع کریں اور اچھے کاموں کی طرف لوگوں کو ترغیب دلائیں۔

☆ یہ بات بھی آپ کے علم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تحریک دنیا بھر میں ایک منظم سازش کے طور پر چل رہی ہے، ڈنمارک سے فرانس تک اور یورپ سے امریکہ تک خاکوں اور کارٹونوں کی شکل میں آپ کی توہین کے لیے اخبارات و جرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ وقف ہو کر رہ گئے ہیں۔فرانس کے ایک جریدے ”Charlie Hebdo“ (چارلی ہیبڈو) کی طرف سے توہین رسالت پر مبنی خاکے چھاپنے پر چند مسلمانوں نے اس دریدہ دہن جریدے کے سٹاف پر حملہ کیا،تو اس کے ردعمل میں پیرس میں قومی سطح پر گستاخ جریدے کی حمایت اور اس سے اظہار یکجہتی کے طور پر ملین مارچ کیا گیا۔اس میں چالیس ممالک کے حکمرانوں نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اعلان کیا ”ہم سب چارلی ہیبڈو ہیں“... یعنی ہم سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر ہم سب کا اتفاق ہے،ان حکمرانوں میں متعدد اسلامی ممالک کے نام نہاد مسلمان لیڈر بھی شامل تھے۔کفر کے یوں متحد و متفق ہونے پر اور مسلم امت کے فکری اور عملی انتشار پر آپ کیا کہیں گی؟

☆☆ نعوذباللہ،اس کی وجہ مسلمانوں کی کمزوری ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم کچھ اس طرح ہے: ”حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،قریب ہے کہ قومیں تم پر (دوسری اقوام کو) یوں دعوت دیں جیسے کہ دستر خوان پر کھانے کی دعوت دی جاتی ہے،پوچھنے والے نے پوچھا،کیا قلت تعداد اس کی وجہ ہوگی؟ فرمایا: بلکہ تم اس وقت تعداد میں بہت زیادہ ہو گے،لیکن تم سیلاب پر

جھاگ کی طرح بے حقیقت ہوکر رہ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا۔ پوچھنے والے نے پوچھا، یارسول اللہؐ یہ وہن کیا ہے؟ فرمایا: ''دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔''

پوری دنیا نے جب دیکھ لیا کہ مسلمانوں کے اندر اپنے دین کی غیرت باقی نہیں رہی، تو امت کے خلاف سازشیں شروع کر دی گئیں۔ پاکستان میں انڈین فلموں اور مغربی تہذیب کو رائج کیا گیا، شکوک وشبہات پیدا کیے گئے، تعلیمی نصاب میں ایسی چیزیں شامل کی گئیں جس سے مسلمان مرتد بھی نہ ہوں لیکن مسلمان بھی نہ رہیں۔ پہلے ان کو عیش وآرام، کھانے پینے اور فضول مشاغل میں لگا دیا گیا، اس کے بعد ان کے ایمان کا جائزہ لینے کے لیے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی جارہی ہے۔ یہ آج کی بات نہیں، اس سے پہلے کے ہر دور میں ایسی سازشیں کی جاتی رہی ہیں۔ جب آپؐ کے دور میں ابی بن خلف کے اکسانے پر عقبہ بن معیط نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی۔ نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ اور کعب بن اشرف وغیرہ نے جو کیا یہ سب ایک سازش تھی۔ ابورافع یہودی بڑا مشہور سازشی تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جنگ بدر اور جنگ احد میں اس نے بہت آگ بھڑکائی تھی، یہ سب گستاخ رسول بھی تھے۔ چارلی ہیڈو نے جو کچھ کیا، یا جو ڈنمارک، جرمنی اور فرانس وغیرہ میں تسلسل سے ہورہا ہے یہ سب کچھ بھی ایک منظم سازش ہے۔ یہ ہماری ملی حمیت کا ٹیسٹ ہے، یہ وہی بات ہے کہ منہ کے آگے آئینہ رکھ کر دیکھو کہ ابھی سانس باقی ہے یا جان نکل گئی ہے۔ ایمان کی رمق بھی باقی ہو تو حضورؐ کی توہین پر خاموش بیٹھا نہیں جا سکتا۔ یہ لوگ جو اس عالم گیر جرم پر خاموش اور مطمئن بیٹھے ہیں، بلکہ جو ہمیں بھی کہتے ہیں کہ صبر کریں، برداشت اور تحمل سے کام لیں، وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ اس لیے کہ جو قوم اپنی بنیادیں چھوڑ دیتی ہیں، وہ ہلکی ہو جاتی ہیں، ان کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو ہمارے ساتھ ہورہا ہے۔ یہ سب کچھ وہ رائے کی آزادی کے نام پر کرتے ہیں، اگر آزادی رائے کی بات کرتے ہیں تو دوسروں کو ہولوکاسٹ کے خلاف بات کرنے کی آزادی کیوں نہیں دیتے، کسی کو سچ بولنے کی اجازت کیوں نہیں۔ ہولوکاسٹ کا یہودی نظریہ صیہونی یہودیوں کے اس بالکل جھوٹے دعوے پر مبنی ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران ساٹھ لاکھ یہودیوں کو ہٹلر نے گیس چیمبرز میں ڈال کر ہلاک کر دیا تھا۔ ہولوکاسٹ (یہودیوں کے قتل کے اعداد وشمار) محققین کے نزدیک جعلی وفراڈ ہے، ان کے مطابق مرنے والوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن جنہوں نے زبان یا قلم سے نکالا کہ مرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں، بعض نے صرف اس طرف اشارہ ہی کیا تھا، ان سب کو نفرت پھیلانے کے جرم میں سزائیں بھگتنا پڑیں۔ جس نے کہا ہولو کاسٹ جھوٹ ہے، اسے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا، ان لوگوں کو عدالتوں میں گھسیٹا گیا، ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ نے حکومت کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ دنیا میں کسی بھی جگہ کوئی شخص اگر مقتول یہودیوں کی تعداد ۶۰ لاکھ سے کم بتانے کی کوشش کرے، اس پر مقدمہ چلا کر جیل بھجوا سکتی ہے۔ یورپ کے ۳۴ ممالک میں ہولوکاسٹ کی توہین قابل تعزیر جرم ہے۔ جرمنی میں یہودی صرف ایک لاکھ انیس ہزار ہیں جبکہ مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ ہے، مگر جرمنی میں ہولو کاسٹ کی نفی کرنا جرم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی عام اجازت ہے۔

☆ آپ نے تحفظ ناموس رسالت کے قانون ۲۹۵۔سی کے بارے میں بتایا کہ جناب اسماعیل قریشی صاحب اور جماعت اسلامی کی رکن پارلیمنٹ محترمہ آپا نثار فاطمہ نے اسے بنانے اور پاس کرانے میں اہم کردار انجام دیا تھا، اب اس قانون کو ختم کرانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ گورنر تاثیر کی ہلاکت کا اہم سبب بھی اس قانون کو کالا قانون کہنا تھا۔ آپ اس قانون کے باقی رہنے کو کتنا اہم سمجھتی ہیں؟

☆☆ پوری دنیا میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی نبی کی یا مذہب کی توہین نہیں کی جاسکتی، پاکستان کے آئین میں بھی شق ۲۹۵ بی موجود ہے جس میں قرآن پاک کی توہین کی سزا عمر قید ہے اور ۲۹۵ سی ہے جس کی سزا حضور اقدس علیہ السلام کی توہین پر سزائے موت رکھی گئی ہے۔ اب ۲۹۵ سی کے خلاف دلائل دیے جارہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاف تو فرما دیا کرتے تھے، لیکن ایسا نہیں، متعدد واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ آپؐ نے گستاخی کرنے والوں پر سزا کا قانون خود نافذ فرمایا۔ ہم عقبہ بن معیط کا واقعہ دیکھتے ہیں، اس نے جب آپؐ کی شان میں گستاخی کی، تو آپؐ نے اس سے کہا تھا، اگر تو مجھے مکہ کے باہر ملا تو میں تجھے قتل کر دوں گا؛ چنانچہ اس کو گرفتار کر کے قتل کیا گیا۔ کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کعب بن اشرف نے اللہ اور رسول ﷺ کو اذیت دی ہے، کون کعب بن اشرف کے پیچھے جائے گا؟ مَنْ لِکَعْبِ بْنِ الْاَشْرَفِ فَاِنَّهٗ قَدْ آذَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، یعنی کون ہے جو مجھے اس اذیت سے نجات دلائے۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اس موذی کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ آپؐ نے اس پر فرمایا! ''افلحت الوجوه'' وہ چہرے کامیاب ہوئے جنہوں نے یہ کام کیا۔ رہا معاف کرنے کا معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق معاف بھی کیا اور سزا بھی دی، لیکن اب تو وحی کے ذریعے رہنمائی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے موقوف ہو چکا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت دراصل منصب رسالت کی حفاظت ہے، اس منصب کی توہین پر سزائے موت اللہ کے حکم سے ہے۔ کسی مسلم معاشرے میں اس سزا کا لاگو نہ ہونا معاشرے میں فساد کا باعث بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شاتم رسول کو خود بھی سزا دی ہے۔ آپؐ کے دور میں غالباً نضر بن حارث تھا جس نے آپؐ کی توہین کی، یہ بات کرتا تھا تو اس کے منہ سے غلاظت ٹپکتی تھی۔ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا سوائے اس سیاہ بخت کے، اسے رسول اللہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

پاکستان میں پہلی مرتبہ اس معاملے پر اسماعیل قریشی صاحب نے فیڈرل شریعت کورٹ میں آواز اٹھائی، اس پر تمام ایڈوکیٹ جنرلز، علمائے کرام اور حکومتی عہدداروں میں سے کسی کو برملا اختلاف کی جرات نہیں ہوئی۔ جسٹس اجمل میاں، جسٹس خلیل الرحمان رمدے، جسٹس فدا محمد خان، مولانا متین ہاشمی، عبدالکریم کنڈی، جسٹس گل محمد خان اور سینیٹر عبدالرزاق یہ سب ان بڑی شخصیات کے نام ہیں جنہوں نے اتفاق رائے سے اس معاملے کو اٹھایا۔ اسی عرصے میں ایک خاتون نے یسی نارے سے خطاب کرتے ہوئے آپؐ کی شان میں نازیبا الفاظ کہے، تو آپا نثار فاطمہ نے اسمبلی میں اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ انہوں نے اسماعیل قریشی صاحب کی معاونت سے اسمبلی میں بل پیش کیا جس میں شاتم رسول کے لیے سزائے موت بطور حد کا مطالبہ کیا گیا۔ اس میں رکاوٹیں ڈالی گئیں، مگر بالآخر ۱۹۹۱ء میں نواز شریف کے دور حکومت میں یہ بل منظور ہوکر پاکستان کے قانون کا حصہ بن گیا۔ انگریز دور کا ایک واقعہ ہے جس میں کسی انگریز میجر کی بیوی نے آپؐ کی شان میں گستاخی کی اور ماری گئی۔ سر محمد شفیع اس مقدمے میں انگریز جج کے سامنے روپڑے، جج نے ان سے پوچھا کہ آپ تو بڑے ٹھنڈے دل ودماغ کے آدمی ہیں آپ کیوں جذباتی ہو گئے؟ تو کہنے لگے، کسی کے باپ کی شان میں گستاخی ہو تو وہ بھی گستاخ کو نہ چھوڑے اور جس نبی کی امت اتنی کثیر تعداد میں ہو اور محبت کے دعوے دار بھی ہوں، اس کی شان میں گستاخی کی جرات کرنا بہت بڑی بات ہے۔

آج یہ نوبت آگئی ہے کہ امت کہ ہوتے ہوئے

نبی کی شان میں گستاخی ہو رہی ہے۔ کیسی بدقسمتی ہے کہ اس قانون کے مطابق اب تک کسی غیر مسلم کو سزا نہیں دی گئی، آسیہ ہی واحد خاتون ہے جس کو سزا سنائی گئی لیکن اس پر بھی عمل درآمد ابھی تک نہیں ہوا۔ اس قانون کے تحت زیادہ گرفتاریاں مسلمانوں کی ہوئی ہیں۔ قانون کا ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آپؐ کے ناموس کے بارے میں لوگ جذباتی ہوجاتے ہیں۔ قانون پر عمل کی صورت میں لوگ اس معاملے کو ہاتھ میں نہیں لیتے۔ عدالتیں اس معاملے پر تمام ثبوت وشواہد سامنے رکھ کر فیصلہ کرتی ہیں اور مجرم کو شک کا فائدہ بھی دیا جاتا ہے، اس لیے قانون کا صرف ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ عملاً نافذ ہونا بھی ضروری ہے۔ اس وقت جو لوگ اس قانون سے ڈرتے ہیں کیا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قتل بہت زیادہ ہو رہے ہیں اس لیے دفعہ ۳۰۲ کو ختم کر دیا جائے۔

☆ انگریزی دور میں غازی علم دین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید وغیرہ کو سزائے موت دینا تو قابل فہم تھا لیکن موجودہ دور میں ممتاز قادری کو سزائے موت دے کر اس پر فی الفور عمل کرنے کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

☆☆ بہت غلط ہوا ہے، ساری قوم اس پر شرمندہ ہے اور نہیں معلوم کہ اس فیصلے کا خمیازہ قوم کو کس طرح بھگتنا پڑے گا۔ ریمنڈ ڈیوس کا معاملہ دیکھ لیں، اس کا فیصلہ دنوں میں کر کے اس کو رہا کر دیا گیا۔ اس کا معاملہ دیت کا تو نہیں تھا، وہ تو فساد فی الارض کا مرتکب ہوا تھا۔ حکمران اس کے ذمہ دار ہیں۔ انھیں جلد یا بدیر اس کا حساب ضرور دینا ہوگا۔ جہاں تک غازی علم دین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کی بات ہے تو ان کے خون کی خوشبو رہتی دنیا تک زمین کو مہکائے رکھے گی، ان کو شہید کرنے والے کسی خدا اور رسول کو ماننے والے نہیں تھے۔ یہ کیا منہ لے کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے جائیں گے کہ جب کوئی میری توہین کرتا تھا تو تمہاری غیرت کہاں مرگئی تھی۔ جب بھی پوری دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی گئی، تو ان کی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور جہاں پر گستاخ رسول کو سزا دینے کا وقت آتا ہے تو یہ گنگ ہو جاتے ہیں، یہ اللہ سے نہیں ڈرتے، ان کو اپنے اقتدار، دنیا کی لالچ و ہوس نے اندھا کر رکھا ہے۔ انہوں نے خود تو دنیا اور آخرت کی رسوائی مول لے لی ہے، ساتھ میں اپنی قوم کو بھی پوری دنیا کے سامنے رسوا کیا ہے۔

☆☆☆

شانِ رسالت میں گستاخی اور تحفظِ ناموس کی تاریخ

۱۔ گستاخ رسول "ابی بن خلف" خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔
۲۔ رسولؐ اللہ کے فیصلے سے اختلاف پر منافق بشر کو حضرت عمرؓ نے قتل کیا۔
۳۔ ابوجہل بدر میں دو ننھے مجاہدوں معاذ ومعوذ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۴۔ امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۵۔ نضر بن حارث حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۶۔ عصما (یہودی عورت) نابینا صحابی حضرت عمیرؓ بن عدی کے ہاتھوں قتل ہوئی۔
۷۔ ابوعفک حضرت سالمؓ بن عمر کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۸۔ کعب بن اشرف حضرت ابونائلہؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۹۔ ابورافع حضرت عبداللہؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۰۔ ابوعزہ جمع حضرت عاصمؓ بن ثابت کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۱۔ حارث بن طلال حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۲۔ عقبہ بن ابی معیط حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۳۔ ابن خطل حضرت ابوبرزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔
۱۴۔ حارث نقید حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۵۔ قریبہ (گستاخ باندی) فتح مکہ کے موقعے پر قتل ہوئی۔
۱۶۔ ایک گستاخ شخص کو (نام معلوم نہیں) خلیفہ ہادی نے قتل کروادیا۔
۱۷۔ ریجی فالڈ (عیسائی گورنر) سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۸۔ یولوجیس پادری فرزند ابوعبدالرحمٰن اندلس کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۱۹۔ راجپال غازی علم دینؒ شہید کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۲۰۔ نتھورام غازی عبدالقیومؒ شہید کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۲۱۔ ڈاکٹر رام گوپال غازی مرید حسینؒ شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۲۔ چرن داس میاں محمدؒ شہید کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۲۳۔ شردھانند غازی قاضی عبدالرشیدؒ کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۴۔ چنچل سنگھ صوفی عبداللہ شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۵۔ میجر ہردیال سنگھ بابو معراج دین شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۶۔ عبدالحق قادیانی حاجی محمد مانک کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۷۔ بھوشن عرف بھوشو بابا عبدالمنان کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۸۔ چوہدری کھیم چند منظور حسین شہید کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۲۹۔ نینو مہاراج عبدالخالق قریشی کے ہاتھوں میں ہاتھوں قتل ہوا۔
۳۰۔ لیک ھرام آریہ سماجی کسی نامعلوم مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوا۔
۳۱۔ وریھان بھی کسی نامعلوم مسلمان کے ہاتھوں میں قتل ہوا۔
۳۲۔ دو گستاخ نصرانی سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مدینہ شریف میں قتل ہوئے۔
۳۳۔ مارچ ۲۰۰۶ میں جرمنی کے شہر برلن میں گستاخانہ خاکے شائع کرنے والے ڈائی ویلٹ اخبار کے چیف ایڈیٹر کو عامر چیمہ شہید نے واصل جہنم کیا۔
۳۴۔ ۴ جنوری ۲۰۱۱ کو سلمان تاثیر گورنر آف پنجاب کو غازی ممتاز قادری نے ۲۷ گولیاں داغ کر ہلاک کیا۔
۳۵۔ فرانس، میں چارلی ہیبڈو کے گستاخانہ خاکے بنانے والوں کو کوشی برادران، ایمیڈی کالی بیلی اور حیات باؤمیڈینی نے جہنم رسید کیا۔





کیا غازی ممتاز قادری شہید کو پھانسی دینا جائز تھا؟

مولانا عبدالمالک نے اس فیصلے کے شرعی، آئینی اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے

ممتاز حسین قادری شہید کی پھانسی کے بعد اس اہم موضوع پر بہت سی بحثیں الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں جاری ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہا ہے۔ ہم اس موضوع پر قرآن وسنت اور مستند اسلامی مآخذ کی روشنی میں چند گزارشات پیش کر رہے ہیں۔ اس وقت یہ بحث عام ہے کہ شاتم رسول کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ بات درست ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لینا درست نہیں، مگر جب حکومت اور عدالت قوانین کے ہوتے ہوئے شاتم رسول کو سزا نہ دے اور کوئی فرد ایک شاتم کو از خود قتل کر دے، تو اس کو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اس کی کئی مثالیں روایات میں موجود ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی کی گستاخی کی سزا قتل ہے اور جس مسلمان کے سامنے گستاخی ہوئی ہو وہ ایسے شخص کو گستاخی کی سزا دے سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعض گستاخوں کو قتل کرایا ہے۔ بعضوں کو از خود بعض صحابہؓ نے قتل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سند جواز عطا فرما دی ہے۔

۱۔ حدثنا جابرؓ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لکعب بن الاشرف فانہ قد اذی اللہ ورسولہ قال محمد بن مسلمۃ انا یا رسول اللہ اتحب ان اقتلہ؟ قال نعم۔ (مسلم شریف۔ حدیث ۴۶۴۰، سنن ابی داؤد ۲۴۰۶، بخاری ۴۰۳۷)

محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ اور دوسرے صحابہؓ نے کعب بن اشرف کو قتل کیا اور آپؐ کو خبر دی۔

۲۔ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی، اسے خالد بن ولیدؓ نے قتل کر دیا۔ (سنن بیہقی ج ۸، ص ۲۰۳)

۳۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے ایک یہودیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتی تھی تو ایک مسلمان نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو باطل قرار دیا یعنی اس کو قابل قصاص قرار نہ دیا۔ (بیہقی ج ۷، ص ۶۰)

۴۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جو کسی نبی کو گالی دے، اس کو قتل کیا جائے اور جو صحابی کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔ (الصارم المسلول ص ۹۲)

۵۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان اللہ اور اس کے رسول کو گالی دے یا نبیوں میں سے کسی نبی کو گالی دے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی اور ایسا کرنا ارتداد ہے۔ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر رجوع کرلے تو فبہا، ورنہ قتل کر دیا جائے گا اور اگر کسی معاہد نے ایسا کیا تو اس کا عہد ختم ہو جائے گا، اسے قتل کر دو۔ (زاد المعاد ۵/۶۰)

۶۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے، ایک نابینا مسلمان تھا، اس کی ایک لونڈی تھی، اس سے اس کے دو بیٹے بھی تھے۔ وہ لونڈی اس کے حق میں تو اچھی تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً گالیاں دیتی رہتی تھی۔ وہ ہر مرتبہ روکتا لیکن رکتی نہ تھی۔ ایک دفعہ رات کو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، تو اس نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر قتل کر دیا۔ صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپؐ نے پوچھا: کون ہے، جس نے رات کو یہ کام کیا ہے؟ تو وہ نابینا آگے آیا اور کہا، یا رسول اللہ! میں نے یہ کام کیا ہے، صورت حال بیان کی تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: "اشھدوا ان دمہا ھدر"، تم گواہ رہو، اس لونڈی کا خون رائیگاں ہے۔ (سنن نسائی حدیث ۴۰۷۹)

۷۔ عمیر بن امیہ نے اپنی مشرک بہن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے کے سبب رات کے وقت قتل کیا۔ صبح کے وقت عمیر بن امیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر خبر دی، تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اپنی بہن کو قتل کر دیا؟ تو اس نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ اور صورت حال واضح فرما دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹوں کو فرمایا کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ (مجمع الزوائد ۶/۲۶۰)

۸۔ عکرمہ ابن عباسؓ کے مولی روایت کرتے ہیں کہ ایک مشرک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، تو آپؐ نے فرمایا: کون ہے جو میرے دشمن کو ٹھکانے لگائے گا؟ تو حضرت زبیر نے کہا، میں؛ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے للکارا اور قتل کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سامان حضرت زبیرؓ کو دے دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۵/۳۰۷)

۹۔ عصماء یہودیہ کا قتل (۲۶ رمضان المبارک ۲ھ) سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱، ص ۶۳۲ میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے مستند کتب حدیث و تاریخ کے حوالے سے ایک یہودی عورت کے قتل کا قصہ نقل کیا ہے جسے ان ہی کے الفاظ میں تفصیلاً درج کیا جا رہا ہے۔ جو

درج ذیل ہے:

''عصماء ایک یہودی عورت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتی تھی، طرح طرح سے آپؐ کو ایذا پہنچاتی تھی، لوگوں کو آپؐ سے اور اسلام سے برگشتہ کرتی تھی۔ ہنوز آپؐ بدر سے واپس نہ ہوئے تھے کہ پھر اسی قسم کے اشعار کہے۔ عمیر بن عدیؓ کو سنتے ہی جوش آ گیا اور یہ منت مانی کہ اگر اللہ کے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے صحیح سالم واپس آ گئے تو اس کو ضرور قتل کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے مظفر و منصور صحیح و سالم تشریف لائے تو عمیر شب کے وقت تلوار لے کر روانہ ہوئے اور اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ چونکہ نابینا تھے، اس لیے عصماء کو ہاتھ سے ٹٹولا، بچے جو اس کے اردگرد تھے انہیں ہٹایا اور تلوار کو سینہ پر رکھ کر اس زور سے دبایا کہ پشت سے پار ہو گئی۔ نذر پوری کر کے واپس ہوئے اور صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا فرمائی۔ پھر اس واقعے کی اطلاع دی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ پر اس بارے میں کچھ مؤاخذہ تو نہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں "لا ینتطح فیها عنزان" اس بارے میں دو بھیڑیں بھی سر نہ ٹکرائیں گی'' یعنی ایسا فعل ہی نہیں کہ جس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف اور نزاع کر سکے۔ انسان تو درکنار بھیڑ اور بکریاں بھی اس سے اپنے سینگ نہ ٹکرائیں گی۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی گستاخی کرنے والے کا قتل کہیں قابل مؤاخذہ ہو سکتا ہے بلکہ اعظم قربات اور افضل عبادات میں سے ہے، جس میں کوئی نزاع ہی نہیں کر سکتا۔ جانور بھی اس کو حق سمجھتے ہیں۔

مصنف حماد بن سلمہ میں ہے کہ یہ عورت ایام ماہواری کے خون آلود کپڑے مسجد میں لا کر ڈالا کرتی تھی۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمیر کے اس فعل سے بے حد مسرور ہوئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ان احببتم ان تنظروا الی رجل نصر الله ورسوله بالغیب فانظروا الی عمیر بن عدی" اگر ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کی تو عمیر بن عدیؓ کو دیکھو۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا اس اعمٰی (نابینا) کو دیکھو تو سہی کہ کس طرح چھپ کر اللہ کی اطاعت کے لیے روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کو اعمٰی (نابینا) نہ کہو، یہ تو بصیر (بینا) ہیں۔ یعنی اگرچہ ظاہراً اعمٰی (نابینا) ہیں مگر دل کے بصیر اور بینا ہیں۔ رمضان المبارک کی پانچ راتیں رہتی تھیں، جس وقت یہ عورت قتل کی گئی۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۱، ص ۴۵۳)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ عمیرؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انطلقوا بنا الی البصیر الذی فی بنی واقف" ہم کو اس بینا کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں رہتا ہے۔ اس کی عیادت کریں گے۔ (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ج ۱، ص ۹۴ تا ۱۰۳، ابن سعد الطبقات الکبریٰ ج ۲، ص ۲۸، ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲، ص ۲۹۳)

قرآن پاک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا سدباب کرنے کے لیے ''راعنا'' کہنے کی مخالفت کی گئی اور انظرنا کہنے کا حکم دیا گیا:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْکَافِرِینَ عَذَابٌ أَلِیمٌ (البقرۃ:۱۰۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو رَاعِنَا نہ کہا کرو، بلکہ اُنظُرنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو، یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔''

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راعنا کہتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمایئے اور ہماری طرف التفات اور توجہ فرمایئے۔ جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ اس موقعے پر کہتے تھے: راعنا...''ہماری رعایت فرمائیں''۔ یہودی لغت میں یہ لفظ بددعا کے لیے تھا اور اسی کے معنی تھے: ''سنو، تمہاری بات نہ سنی جائے۔'' انہوں نے اس موقعے کو غنیمت جانا اور کہنے لگے: پہلے تو ہم ان کو تنہائی میں بددعا دیتے تھے اور اب لوگوں میں اور برسر مجلس ان کو بددعا دینے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے راعنا کہتے اور آپس میں ہنستے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ کو یہود کی لغت کا پتہ تھا۔ انہوں نے جب ان سے یہ لفظ سنا تو انہوں نے کہا: تم پر اللہ کی لعنت ہو، اگر میں نے تم کو آئندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ لفظ کہتے ہوئے سنا، تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ یہود نے کہا: کیا تم لوگ یہ لفظ نہیں کہتے؟ اس موقعے پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں سے کہا گیا (جب کوئی بات سمجھ نہ آئے) تو راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو (ہم پر نظر رحمت اور مہربانی فرمائیں) تاکہ یہود کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ صحیح لفظ کو غلط معنی میں استعمال کریں اور پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو غور سے سن لیا کرو، تاکہ یہ نوبت ہی نہ آئے۔ (الجامع الاحکام القرآن ج ۲، ص ۵۷ طبع ایران)

قرآن کریم میں کفار اور منافقین کی یہ عادت بیان ہوئی ہے کہ وہ اللہ کی آیات اور اس کے رسولوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے شدید عذاب کی وعید کا ذکر ہوا ہے اور مسلمانوں کو اس روش سے منع کیا گیا ہے۔ اس مضمون کی آیات کی تفصیل یہ ہے:

البقرہ آیت ۱۳۱، التوبہ ۶۱، ۶۵، ۶۶، المائدہ ۵۸، الکہف ۵۶، ۱۰۶، الاحزاب ۵۳، ۵۷، ۶۹، الروم، ۸۰، الحجرات ۲، الجاثیہ ۹، ۳۵، الصف ۵۔

منافقین مدینہ اپنی مجالس میں اللہ کے احکام و آیات اور اللہ کے رسول کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور جب ان سے باز پرس ہوتی تو کہہ دیتے کہ ہم خوش طبعی کرتے تھے، گستاخی اور توہین ہمارا مقصد نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ (کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟) لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ (اب عذرات نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے) (احکام القرآن تفسیر سورۃ توبہ آیات ۶۵، ۶۶) اس قسم کے بہانے آج بھی مروج ہیں، جب شعر و ادب کے پردے میں شریعت کے احکام اور اسلام کے عقائد مثلاً جنت، دوزخ اور فرشتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور کوئی اعتراض کرتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے کہ یہ تو صرف ادبی دلچسپی اور خوش طبعی تھی، مذہب کی توہین و تحقیر تو مقصد نہیں تھا۔ امام ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے: ''**دل علی ان الاستهزاء بآيات الله ورسوله و بشیء من شرائع دينه كفر فاعله**... اور دلیل میں ذیل کی آیت کا حوالہ دیا ہے: ''وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ... الجاثیہ آیت ۹)'' اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ان ہی لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

مزید ارشاد ربانی ہے ''إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا'' (الاحزاب آیت ۵۷) ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے''۔

ان آیات اور اسی مضمون کی دوسری آیات و احادیث کی رو سے اسلامی احکام، اسلامی شعائر اور انبیاء کی توہین و استہزاء پر مشتمل کتاب، مضمون، خبر، کارٹون، ڈرامہ اور کسی قسم کی تحریر کی طباعت و اشاعت کفر و ارتداد ہے۔ توہین رسالت کرنے والا تو بالاجماع مرتد ہے اور اس کی سزا بھی بالاجماع قتل ہے۔ قاضی عیاض نے الشفاء میں اور امام تقی الدین سبکی نے ''السیف المسلول علی من سب الرسول'' میں ابوبکر بن المنذر سے نقل کیا ہے کہ اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ رسول اللہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے۔

قرآن پاک کی آیات اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ کے فیصلوں کی روشنی ہی میں پاکستان کے آئین اور قانون میں توہین رسالت ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ حکومت پاکستان قرآن وسنت اور احکام شرعیہ اور آئین پاکستان اور تعزیرات پاکستان کی رو سے توہین رسالت کے مرتکب کو بطور حد قتل کرنے کی پابند ہے۔ وہ اگر اس کی خلاف ورزی کرتی ہے، کسی کو استثنا دیتی ہے، اس قانون کی توہین کرنے والوں کو رائے کی آزادی کے نام پر آزادی دیتی ہے تو وہ شریعت اور قانون کی رو سے مجرم بنتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کی رو سے اسلامی حکومت کا منشور اور دستور العمل معروفات کو قائم کرنا اور منکرات کو مٹانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ (الحج آیت:۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دے دیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آخری فیصلہ تمام کاموں کا۔"

اس آیت میں بغیر کسی ابہام کے اسلامی حکومت کا یہ فرض منصبی قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھلائیوں کو فروغ دے گی اور برائیوں کو مٹائے گی۔ لہٰذا یہ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور میڈیا کے ذریعے برائیوں کو فروغ دینا اسلامی احکام کا مذاق اڑانا اور توہین رسالتؐ کے قانون کی توہین وتحقیر کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ میڈیا کو اس کام کی آزادی نہیں دی جاسکتی۔ اگر حکومت میڈیا کو نہیں روکے گی، میڈیا والے خود نہیں رکیں گے تو مسلمان کب تک اس جرم کو اور اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی حرمت کو پامال ہوتا ہوا دیکھتے رہیں گے اور برداشت کریں گے۔ تمام دینی و مذہبی جماعتوں کے قائدین اور منبر ومحراب کے وارثوں میں سے کسی نے بھی لوگوں کو میڈیا اور صحافیوں پر حملے پر نہیں اکسایا بلکہ میڈیا نے خود لوگوں کو مشتعل کر کے اپنے اوپر حملے کی دعوت دی ہے۔

اگر کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دے گا تو اولاد برداشت نہیں کرے گی اور جو کارروائی اس سے ممکن ہوگی کرے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تو ہمیں ہمارے ماں باپ اور پوری کائنات سے زیادہ عزیز ہے۔ آپ کو گالی دینے والا یہ کیسے تصور کر سکتا ہے کہ اسے مسلمان کچھ بھی نہ کہیں اور اس کے خلاف کارروائی کرنے کے بجائے اس حکومت اور عدالت کا انتظار کریں جس نے کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ اگر حکومت اپنا فرض ادا کرے تو یقیناً کوئی فرد قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ گورنر جو دستور و قانون کا پابند و وفادار اور اپنے حلف کے مطابق اس کا محافظ ہے، وہ خود اس کی دھجیاں سرعام بکھیرے تو کوئی کس سے دادرسی چاہے۔ آپ اس کے خلاف ایف آئی آر بھی درج نہیں کراسکتے۔ توہین رسالت کے مرتکبین بڑی تعداد میں جیلوں میں بند ہیں، ان کے خلاف پھانسی کی سزاؤں کا فیصلہ بھی ہو چکا ہے، لیکن عمل درآمد کسی ایک پر بھی نہیں ہوا، بلکہ بعض کو فیصلے کے بعد خفیہ طریقے سے حکومتی اختیارات استعمال کر کے مغربی ممالک میں بھیج دیا گیا تاکہ توہین رسالت کے جرم کا مذاق اڑائیں اور وہاں پہنچ کر اس قانون کی توہین وتحقیر اور تضحیک کریں۔ ممتاز قادری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ گورنر سلمان تاثیر عہدے کے سہارے کھلم کھلا دفعہ ۲۹۵ سی کو کالا قانون کہہ رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے کوئی خوف نہیں، میں اس قانون کی مذمت کرتا رہوں گا اور اس نے یقین کرلیا جو حقیقت کے عین مطابق تھا کہ اس کے خلاف کوئی بھی ایکشن نہیں لیا جارہا، بلکہ اسے اس عہدے نے قانوناً تحفظ دیا ہوا ہے، تو پھر اس نے خود اس سے سوال کیا کہ "سر! آپ اس قانون کو "کالا قانون" کہتے ہیں؟" تو جواب میں گورنر موصوف نے کہا "ہاں، بالکل کہتا ہوں"۔ اس نے اس کے بعد مجبوراً یہ انتہائی قدم اٹھایا۔

ممتاز قادری کی سزا

ممتاز حسین قادری شہید اس پر کسی سزا کا مستحق نہیں تھا، کیونکہ ملک کے ہر خاص و عام مسلمان کے نزدیک سلمان تاثیر توہین رسالت کا مرتکب تھا اور واجب القتل تھا۔ ایسے واجب القتل کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دیتا ہے تو وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں از خود نہیں لیتا، بلکہ حکومت اسے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور کرتی ہے اور عدالتیں بھی اپنا فرض ادا نہیں کرتیں۔ سابق جسٹس ریٹائرڈ محمد شریف صاحب اور سابق جسٹس نذیر احمد غازی صاحب نے عدالت کے سامنے یہ نکتہ اٹھایا، لیکن عدالت اس نکتے کو زیر بحث لائی ہی نہیں۔ پھر دونوں نے علماء کی نمائندگی کرتے ہوئے تحریری اور زبانی صدر ممنون حسین سے کہا کہ عدالت کو یہ فیصلہ واپس بھیجا جائے تاکہ وہ اس نکتے کی بھی سماعت کرے کیونکہ اس نکتے کی رو سے جناب ممتاز حسین قادری نے از خود قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا، بلکہ سلمان تاثیر اور حکومت نے انہیں اسی اقدام پر مجبور کیا ہے اور ایسے مجبور شخص کا حکم وہ نہیں ہوتا جو عام حالات میں جرم کے مرتکب کا ہوتا ہے۔ لیکن حکومت نے اس درخواست کو پذیرائی نہیں بخشی، ظاہر ہے اس کا اصل ذمہ دار وزیراعظم ہے کیونکہ صدر نے تو وزیراعظم کی ایڈوائس پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ اس لیے میاں نواز شریف اس قتل کے ذمہ دار ہیں اور ان ہی کو دنیا و آخرت دونوں میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

علماء شروع دن سے اس مسئلہ سے متعلق وضاحت کرتے رہے ہیں۔ اجتماعات کے ذریعے، علماء کونشنز کے ذریعے اور حکومتی حلقوں سے ملاقاتوں کے ذریعے مسئلے کی نزاکت اور اہمیت محسوس کراتے رہے ہیں۔ متجدد دین اور لادین دانش ور دینی جماعتوں اور علماء کو مورد الزام ٹھہرانے کی بجائے حکومت، عدالت اور میڈیا پر غم وغصہ نکالیں تو یہ زیادہ موزوں ہوگا۔ اور جہاں تک شرعی حکم کا تعلق ہے تو اس کا بھی تقاضا یہی ہے آپ کو ان آیات واحادیث اور فیصلوں کا جواب بھی دینا ہوگا، جن کے حوالے اختصار سے دیے گئے ہیں اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ قانون کسی شخص کا وضع کردہ نہیں، بلکہ سپریم کورٹ آف پاکستان کا فیصلہ ہے۔ عدالت کے فیصلے کی رو سے پارلیمنٹ نے یہ قانون منظور کیا ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے ملک کا قانون ہے جس کا حکومت اور عدلیہ نے حلف اٹھایا ہوا ہے۔ یہ تمام ادارے اس آئین اور قانون کے پابند ہیں اور اس کی خلاف ورزی پر جواب دہ ہیں۔ یہ بات بھی زیر بحث لائی جارہی ہے کہ ایک جج، شوکت صدیقی صاحب، جماعت اسلامی میں رہے اور وہ جناب نعیم صدیقی صاحب کے نواسے ہیں تو اس میں جماعت اسلامی کا کوئی قصور نہیں۔ اگر ایک آدمی راہ راست سے ہٹ جائے، حدیث رسول کا احترام نہ کرے اور عدالتی فیصلے میں جمہوریت اور بنیادی حقوق کو آئین کا ستون قرار دے کر ایسا فیصلہ دے تو اسی کو کہتے ہیں کہ چور دروازے سے آئین پاکستان میں ایک طرح سے ترمیم کی گئی ہے۔ پارلیمنٹ تو اس کے نزدیک پاکستان کی حکومت کا بنیادی ستون ہو لیکن اسلام جس کے لیے پاکستان بنایا گیا، وہ بنیادی ستون نہ رہے۔ آئین پاکستان میں ترمیم کرنے کا اختیار عدلیہ کے ان ججوں کو کس نے دیا ہے؟ عدلیہ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ زبردستی اور طاقت کے ذریعے اسلام کو نافذ کرنے کا نظریہ درست نہیں، بلکہ اسلامی حکومت قائم کر کے یہ خدمت سرانجام دینا ضروری ہے۔ اسی لیے دعوت وتبلیغ اور رائے عامہ کو ہم نوا بنا کر اس مقصد تک پہنچنا مسلسل جدوجہد کا حصہ ہے۔

☆☆☆



آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است

قرآن وحدیث کے تحت شاتمِ رسولؐ کی سزا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے فضائل ومحاسن اور مناقبِ عالیہ سے سرفراز فرمایا ہے اور آپؐ کے مرتبہ جلیلہ کو اتنا بڑھایا ہے کہ قلم وزبان اُن کو حیطۂ تحریر میں لانے سے قاصر ہیں۔ اِن اوصاف میں سے بعض وہ ہیں جن کی تصریح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقانِ حمید میں فرمادی اوران کو بیان کرکے آپؐ کے مراتب عالیہ سے لوگوں کو آگاہ کردیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وآداب کو ماڈل کے طور پر پیش کرکے لوگوں کو اس نمونے پر چلنے کی تعلیم دی۔ اللہ نے آپؐ پر بے حدوحساب فضل وکرم فرمایا، خود آپ کی تعریف کی، آپ کی امت کو آپؐ پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا اور بتایا کہ اللہ اوراس کے فرشتے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ قرآن پاک میں بیان کی گئی صفات کریمہ و جلیلہ میں سے بعض وہ ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق میں جاہ و جلال عطا فرمایا اور آپؐ کو محاسنِ جمیلہ، اخلاق حمیدہ اور مناصب کریمہ سے ممتاز فرمایا اور بینات، معجزات اور براہین سے آپ کی تائید کی جن کو معاصرین وزائرین نے دیکھا اور متاخرین تک اُن کا علم بالثبوت پہنچا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت قراردیا۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی بے شک اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء۸۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے دونام "رؤف" اور "رحیم" خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کو تمام عالمین کے لیے ذریعہ رحمت قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خصائل و

پروفیسر دل نواز عارف

صفات مخلوق کے لیے رحمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَةً لِلعٰلَمِین

(الانبیاء۱۰۷)

(اے محمد) ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔

> میں ایک رات مناجات میں بارگاہ الٰہی میں زاروقطار رویا اور سوال کیا، مسلمان اتنے زارونزار اور عاجز وخوار کیوں ہیں...؟
>
> جواب آیا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر دل بر نہیں رکھتی؛ یعنی ان لوگوں کے پاس دل تو ہے مگر اس دل میں بسنے والا کوئی محبوب نہیں۔
>
> اس امت کے محبوب حضور رسالت پناہ علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ کی ذات ساری انسانیت کے لیے یوں ہے، جیسے کسی تپتے ہوئے صحرا میں ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ، جس سے ہر کوئی اپنی پیاس کے مطابق سیراب ہوسکتا ہے اوراپنے ظاہر وباطن کو ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کرسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو ایک ایسے دین کی صورت میں پیش کیا، جس کے دائرۂ رحمت میں پوری کائنات سمٹی ہوئی ہے۔ رحمت کا ایک مظہر یہ ہے کہ جیسے ایک بچہ دم توڑ رہا ہے، ماں رو رہی ہے، اچانک ایک طبیب حاذق پہنچتا ہے اور دوا کا ایک قطرہ بچے حلق میں ٹپکاتا ہے، وہ آنکھیں کھول دیتا ہے۔ مگر رحمت اللعالمین وہ ہیں کہ جو پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچالیں، فرق اتنا ہی نہیں، ایک عارضی ہلاکت ہے اور دوسری ابدی ہلاکت۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کے ذریعے جس رحمت کا معاملہ فرمایا، اسے دوسری رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ حضور سے پہلے پوری نوع انسانی خودکشی پر آمادہ و کمربستہ تھی، قرآن میں اس منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا....آل عمران: ۱۰۳)

"اور خدا کی مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک

دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔''

حضرت فقیہ ابولیث سمرقندی کہتے ہیں کہ رحمت اللعالمین سے جن و انس پر رحمت کرنا مراد ہے۔ ایک روایت میں اس سے تمام کائنات ومخلوقات پر رحمت فرمانا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں: وَ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَکَ (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کردیا۔) قرآن پاک کی مختلف آیات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کا حصہ بنادیا: قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

(اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو درگزر فرمائے گا... آل عمران: ۳۱) اس آیت میں تمام انسانوں کے لیے اللہ نے اپنی محبت کا چینل بتادیا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ہوگا، بصورت دیگر یہ محبت کارگر ثابت نہیں ہوگی، بلکہ منہ پر ماری جائے گی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بائی پاس کرکے اللہ اور اس کی محبت کا حصول ممکن ہی نہیں۔ ہاں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو، اللہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔ شاعر قرآن حضرت علامہ اقبال نے اس آیت قرآنی کے خلاصے کو اُردو اور فارسی میں شاعری میں شعری قالب میں ڈھالا ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

یہ جواب شکوہ کا آخری شعر ہے، جس میں علامہ اقبال کی زبان حق ترجمان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتی ہے، اے مسلمانو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا (یعنی اُن کی اتباع) کرو، تو اللہ تمہارا ہو جائے گا، پھر یہ عالم رنگ وبو تو کیا لوح وقلم سب تمہارے ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دل میں نہ بسانے کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ امت اپنی قوت وشکوہ سے محروم ہوگئی ہے۔ اقبال ملت کے تمام مسائل کا حل رسول اللہ کی محبت کو عام کرنے میں بتاتے ہیں، ان کے خیال میں امت کی زبوں حالی اور کمزوری کا سبب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں کمی ہے:

شب پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند وخوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند ومحبوبے نہ دارند

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت وتکلیف پہنچانا
حرام قرار دیا ہے اور
امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں
بھی جو شخص بھی آپ کی تنقیص شان کرے
یا آپؐ پر سب وشتم کرے،
وہ مرتد اور ملعون ہے۔

میں ایک رات مناجات میں بارگاہ الٰہی میں زار و قطار رویا اور سوال کیا، مسلمان اتنے زار ونزار اور عاجز و خوار کیوں ہیں...؟ جواب آیا کہ یہ قوم دل تو رکھتی ہے مگر دل بر نہیں رکھتی؛ یعنی ان لوگوں کے پاس دل تو ہے مگر اس دل میں بسنے والا کوئی محبوب نہیں۔ اس امت کے محبوب حضور رسالت پناہ علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را، کہ دیں ہمہ اوستؐ
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

یعنی کسی طرح محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کرو کہ دین سارے کا سارا وہی ہے۔ اگر ان تک نہ پہنچ سکے تو باقی سب بولہبی ہے۔ آپؐ کی پوری زندگی پورا اسلام ہے۔ قرآن نظریہ ہے اور آپؐ کی زندگی اُس کا عملی نمونہ ہے، ایک صحابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے سیدہ عائشہ صدیقہ نے کہا تھا ''کان خلقه القرآن '' ان کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔ رسول اللہ کو بائی پاس کرکے ہم اللہ کا ادراک بھی نہیں کرسکتے اُسے پانا تو در کنار۔

پھر یہ بھی دیکھیں کوئی مسلمان ہو نہیں سکتا جب تک لا إله إلّا الله کے ساتھ مُحمد رَسول الله کا اقرار نہ کرے۔ اذان ادھوری رہے گی جب تک ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔

حضرت قتادہؓ کا کہنا ہے: رفع الله ذكره في الدنيا والآخرة فليس خطيب ولا متشهد ولا صاحب صلاة إلا ينادى بها أشهد ألا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله

''حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضورؐ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اتنا بلند کیا کہ کوئی خطیب یا کلمہ شہادت کہنے والا یا نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشھدُ اَن لا إلٰہ إلّا اللہ وَ اَشھدُ اَنّ مُحمد رَسول اللہ نہ کہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اہل ایمان کے لیے واجب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے رسولؐ درود بھیجتے ہیں۔

(اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا... الاحزاب ۵۶)

(اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو) اس سے بڑھ کر اور رفعت کیا ہوسکتی ہے کہ خود مالک ارض وسما حضور ختم المرسلین ﷺ پر درود بھیجے (رحمتیں نچھاور کرے) اور اپنے بندوں کو بھی اپنے رسولؐ کے حق میں درود وسلام بھیجنے کا حکم فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی کے وجود کو اہل ایمان کے لیے احسان عظیم قرار دیا۔

(لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ .

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا... آل عمران: ۱۶۴)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپؐ کو شافع محشر بنا کر اولین وآخرین میں آپؐ کو تکریم بخشی۔ اللہ نے اپنی مخلوق میں جو مقام ومرتبہ آپؐ کو بخشا وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ خیر البشر کا افضل ترین اور اکمل ترین منصب آپؐ ہی کے لائق ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

شاتم رسولؐ کی سزا

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت وتکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں میں بھی جو شخص بھی آپؐ کی تنقیص شان کرے یا آپؐ پر سب وشتم کرے، وہ مرتد اور ملعون ہے:

اِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ...

(بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کیے گئے تھے...) اسی طرح فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ

اللّٰہ فِی الدُّنیَا وَالْآخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَاباً مُّھِیناً ۔الاحزاب ۵۷

(بے شک جو اللہ اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا و آخرت میں اللہ نے اُن کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم فرمایا اور اُس کی نسبت آپؐ نے فرمایا: وہ اللہ عزوجل اور اُس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ (کتاب البخاری جلد ۵، ص ۸۶) اس سے ثابت ہوا کہ اُس بدنصیب کا قتل شرک کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ اللہ کے رسولؐ کو اذیت دینے کی بنا پر تھا۔ یہی سبب ابورافع کے قتل کا تھا۔ براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہؐ کو ایذا دیتا تھا اور دشمنوں کو آپؐ کے خلاف اُبھارتا تھا۔ اسی طرح آپؐ نے فتح مکہ کے روز ابن خطل اور اُس کی دو باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، جو آپؐ کو گانے میں گالیاں دیا کرتی تھیں۔ (صحیح بخاری جلد ۳ ص ۱۱۵، صحیح مسلم، کتاب الحج جلد ۲، ص ۹)۔ ابتدائے اسلام میں جب تالیف قلوب کی ابتدا ہو رہی تھی، تزکیہ کا عمل جاری تھا، اس وقت آپؐ نے تنقیص کرنے والوں اور ستانے والوں کو سزائیں نہیں دیں، لیکن جب اسلام مستحکم ہو گیا اور اللہ نے اُسے تمام دینوں پر غالب کر دیا، تب آپؐ نے اللہ کے حکم کے مطابق گستاخوں اور شاتمین کو عبرت ناک سزائیں دیں۔

صرف رسول ﷺ کی توہین کی سزا موت

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپؓ کسی شخص سے ناراض ہوئے تو وہ بھی جواباً بدکلامی کرنے لگا۔ میں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں۔"

میرے ان الفاظ کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا غصہ ختم ہو گیا۔ آپؓ وہاں سے کھڑے ہوئے اور گھر چلے گئے۔ گھر جا کر مجھے بلوایا اور فرمانے لگے "ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے کیا کہا تھا؟" میں نے کہا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے، اگر میں تم کو حکم دے دیتا، تو تم یہ کام کرتے؟ میں نے عرض کیا، اگر آپ حکم فرماتے تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ آپؓ نے فرمایا نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لیے نہیں کہ اس سے بدکلامی کرنے والے کی گردن اڑائی جائے یعنی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کی ہی گردن اڑائی جائے گی۔

والی کوفہ نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے اُس شخص کے بارے میں رائے مانگی تھی، جس نے سیدنا عمر فاروقؓ کو گالی دی تھی، تو حضرت عمرؒ ثانی نے اُس کے جواب میں لکھا "لوگوں میں سے کسی کو گالی دینے کے سبب کسی مردِ مسلم کا قتل حلال نہیں، بجز اُس شخص کے، جو رسول اللہؐ کو گالی دے...."

بات دراصل یہ ہے کہ مسلمان خواہ مومن صادق ہو یا گنہگار فاسق، وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، مگر آپؐ کی شان میں ذرہ برابر گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ خواہ اُسے اس کے لیے جان ہی کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ بلکہ وہ ہر زماں اس تلاش میں رہتا ہے کہ کوئی ایسا موقع آئے کہ متاعِ جاں آپؐ کی ذات والا صفات پر نچھاور کر دی جائے۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی۔ اس کی تازہ ترین سعادت غازی ممتاز حسین قادریؒ کے حصے میں آئی ہے۔ عالمِ آخرت میں اُنہیں کیا مقام ملے گا، اللہ کے علم میں ہے، مگر اس عالم فانی میں اُنہوں نے لافانی عزت و مرتبہ حاصل کر لیا ہے اور اُن کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔ ہر مسلمان اُن کا نام اب عزت و احترام سے لینے لگا ہے۔ اُس کی نماز جنازہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ملکی تاریخ کا عظیم ترین اجتماع تھا۔

غازی ممتاز حسین قادری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ اپنی جان دے کر اس عظیم انسان نے پوری دنیا کو اپنی دینی غیرت سے یہ پیغام دیا کہ جان تو قربان کی جا سکتی ہے مگر حضور رسالت مابؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت نہیں خواہ یہ جسارت ریاست کا بڑے سے بڑا عہدیدار ہی کیوں نہ کرے۔ اگر ریاست اور قانون مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس کی گرفت نہ کریں تو کوئی غازی علم الدین، کوئی غازی عبدالقیوم ہزاروی، کوئی غازی عامر چیمہ اور کوئی ممتاز قادری اٹھتا ہے اور اُس کا کام تمام کر دیتا ہے اور ہنستا مسکراتا ہوا تختہ دار پر چڑھ جاتا ہے۔ ان لوگوں نے گستاخانِ رسولؐ پر واضح کر دیا ہے کہ اس جرم پر انہیں کوئی ملک، کوئی ادارہ اور کوئی قانون بچا نہیں سکتا۔ سلمان تاثیر کی ہلاکت سے پہلے ہم آئے دن سنتے تھے کہ فلاں بدنصیب مرد یا عورت نے شان رسالت میں دریدہ دہنی کی ہے۔ تاثیر کے بعد چھ برس گزر گئے ہیں پاکستان میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن سہمے ہوئے ہیں، اس سے پہلے پیپلز پارٹی کی شیری رحمان نے قومی اسمبلی میں ذاتی بل پیش کر کے توہین کے قوانین میں تخفیف کرنے کی کوشش کی تھی: چنانچہ دفعہ ۲۹۵۔الف میں لفظ 'دو' کو 'دس' کی جگہ لانے کی سفارش کی گئی... یعنی کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی سزا دس سال سے کم کر کے دو سال کرنے کی سفارش کی گئی۔ دفعہ ۲۹۵ ب، یعنی قرآن پاک کی بے حرمتی میں عمر قید کی جگہ صرف پانچ سال قید کی سفارش کی گئی اور دفعہ ۲۹۵ سی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی سزا، سزائے موت کے بجائے دس سال کرنے کی سفارش کی گئی۔ تاہم جنوری ۲۰۱۱ء میں سلمان تاثیر کی ہلاکت اور دو مارچ ۲۰۱۱ء کو اقلیتی امور کے وزیر شہباز بھٹی کے قتل کے بعد (۲ مارچ ۲۰۱۱ء کو) ہی شیری رحمان نے قومی اسمبلی سے بل واپس لے لیا۔

مسلماں گر عاشق نباشد کافر است

کہ مسلمان جو عاشق رسولؐ نہیں ہے تو بقول شاعر ایسا مسلمان بھی کافر ہے کہ آپؐ کا مقام مسلمان کے دل میں ہے۔ ہماری عزت، نام اور مقام اسی نام سے ہے۔

در دل مسلم مقام مصطفےٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

توہین رسالت کی سزا قتل... سید مودودیؒ

۱۹۲۷ء میں سید مودودیؒ نے اپنے ایک مضمون میں جو "الجمعیۃ دہلی" میں شائع ہوا تھا، اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے اسلام میں قتل کی سزا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کا خون مباح قرار دیا گیا ہے... پس جزئیات میں فقہاء کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت میں حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی سب کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اس سے صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں داعی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی حرمت و عزت کے متعلق کیا احکام ہیں اور اس بارے میں مسلمانوں کا مذہب ان کو کیا تعلیم دیتا ہے۔"



ناموسِ رسالتؐ کی حفاظت بقائے امت

بنی آدم کی زندگی جس طرح سانس کے چلنے سے ہے،اسی طرح ایک مسلمان کی زندگی ناموس رسالت سے ہے

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

قرآن مجید ،احادیث صحیحہ ،آثار صحابہ،خلفائے راشدین،ائمہ اہل بیت،تابعین، فقہائے کرام اور آج تک کے تمام علمائے امت اس بات پر مجتمع ہیں کہ توہین رسالت کا مرتکب واجب القتل ہے؛نیز اہل سنت و الجماعت کے اہل علم اور فقیہان کرام اس پر متفق ہیں کہ امہات المؤمنین (ازواج مطہرات) رضون اللہ علیھن کی توہین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی توہین سمجھی جائے گی۔حضرت علی کرم اللہ وجھہ نے فرمایا۔مَنْ سَبَّ نَبِیًاً قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابَہ جُلِدَ...(جس کسی نے کسی بھی نبی کو برا کہا وہ قتل کیا گیا اور جس نے آپؐ کے صحابہ کو بُرا کہا اس کو کوڑے مارے گئے)یعنی اسلام میں یہی قانون ہے۔(الصارم المسلول)حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت ہے:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَن سَبَّنِی فَاقْتُلُوْہُ(جس کسی نے مجھے برا کہا،پس اسے قتل کردو)اگر کوئی شخص اس موضوع کو بالتفصیل پڑھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ کی کتاب ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قانون توہین رسالت قرآن وسنت ،تاریخ ،قانون اور عدالتی فیصلوں کے آئینے میں" پڑھ لے اسے الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور نے شائع کیا ہے۔اس عنوان پر اگرچہ بہت علماء نے لکھا ہے،لیکن حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی "الشفا" اور "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہنے والے پر سونتی ہوئی ننگی تلوار) بہت عمدہ اور مستند کتب ہیں۔سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۶ میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ(نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے لیے ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق دار ہیں اور آپ کی

مولانا محمد سلیم

بیویاں ان کی مائیں ہیں۔)یعنی جس طرح انسان اپنی عزت کی خاطر اپنا مال حتی کہ اپنی جان بھی قربان کرتا ہے،اس طرح ایمان والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی خاطر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اور آپ کی ازواج تو ان کی مائیں ہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۷ میں ہے۔اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا(یقیناً جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا وآخرت میں لعنت برسائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔)است سورۃ احزاب کی آیت ۶۱ میں منافقین کی ان ہی بے ہودگیوں کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالٰی نے ان پر لعنت فرمائی: مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا(وہ لعنت کیے گئے ہیں جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں اور خوب خوب قتل کیے جائیں۔)اسی طرح سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۱ میں ہے: وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اور وہ لوگ جو اللہ کے رسولؐ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔)قرآن مجید کی دیگر آیات مبارکہ سے بھی ثابت ہوتا ہے اللہ کے رسول کو ایذا دینا اور طعن وتشنیع کرنا کفر کرنے سے بڑا جرم ہے اور اس کے مرتکب کے ساتھ ایک حربی کافر سے بھی زیادہ سختی برتی جائے گی۔بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے،وہ اپنے دشمنوں اور کافروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے والے تھے ،جس کی مثالیں حدیث اور سیرت کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں؛تاہم اپنے ایذا دینے والوں کو اللہ کے حکم سے خود قتل کردینے کا حکم فرماتے ہیں۔آپؐ نے کعب بن اشرف ابن الزبعی،کعب بن زہیر،حویرث بن نقید اور ابن اخطل کو خود قتل کرنے کا حکم دیا۔یہ سب لوگ توہین رسالت کے مرتکب تھے۔ابوسفیان بن حارث جو توہین رسالت کا مرتکب تھا،اس کے قتل کو"ھدر"(رائیگاں) قرار دیا،یعنی مقتول کے ورثا کے لیے کوئی بدلہ نہیں ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک عورتوں کے قتل سے منع فرماتے تھے،لیکن شاتمہ عورت کے قتل کو "ھدر" قرار دیا۔(ابوداؤد)

مسلمانوں کی پندرہ سو سالہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ شاتم رسولؐ کو کبھی زندہ نہیں رہنے دیا گیا،سوائے ہمارے اس عہد کم نصیب کے،جب سلمان رشدی ،تسلیمہ نسرین اور لاکھوں کروڑوں مغرب کے ملعون جو براہ راست اور بالواسطہ اس جرم شنیعہ کے مرتکب ہیں،مگر اس صفحہ کائنات پر دندناتے پھرتے ہیں۔اللہ ہمیں اس ذلت کی آزمائش سے محفوظ رکھے کہ ہمارے سامنے کوئی نعوذ باللہ ناموس رسالت کو نقصان پہنچائے اور پھر وہ ہمارے ہاتھوں جہنم رسید نہ ہو۔اللہ ہمیں توفیق بخشے کہ ایسا کرنے والون کو ان کے بلوں سے نکال نکال کر جہنم واصل کردیں۔اسی طرح جیسے غازی علم دین شہید نے

شاتم رسول راج پال کو اس کی پناہ گاہ میں گھس کر عبرت ناک انجام سے دوچار کیا، غازی عبداللہؒ نے ۱۹۴۳ء میں بد بخت چنچل سنگھ کو اس کی ناپاک معشوقہ سمیت سینکڑوں سکھوں کے سامنے ذبح کیا۔ غازی میاں محمدؒ نے ۱۹۳۷ء میں چرن داس کو واصل جہنم کیا۔ عبداللہ اور امیر احمد دونوں دوستوں نے پشاور سے کلکتہ کا سفر صرف اس لیے کیا کہ نبی علیہ السلام کا کارٹون بنانے والا زندہ نہ بچے، انہوں نے ملعون کارٹونسٹ کو اس کی دکان پر جا کر جہنم رسید کیا۔ غازی عبدالرشیدؒ نے آریہ سماج کے بانی کے چیلے سوامی شردھانند جیسے خبیث شاتم رسول کو دہلی میں موت کے گھاٹ اتارا،اس کے علاوہ مانسہرہ کے غازی عبدالرحمٰنؒ، تلہ گنگ کے غازی محمد شہید، چکوال کے غازی مرید حسین اور محمد منیر شہیدؒ۔ ضلع ہزارہ کے غازی عبدالقیوم، قصور کے غازی محمد صدیق، راولپنڈی کے عامر چیمہ شہید اور غازی ممتاز قادری جیسے عاشقان رسول بروئے کار آئے۔ ان سب نے ”سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب وعجم“ کے عنوان سے اپنے پاک لہو سے عشق مصطفیٰ کی رنگا رنگ تحریریں قلم بند کیں۔ مسلمان بھائیو! رسول اللہ کی حرمت اور ناموس کا تحفظ دین کا ستون ہے، اپنی جان دے کر بھی اس ستون کو گرنے سے بچانا ہے۔ دل میں برا سمجھنا کافی نہیں، یہ کمزور ترین ایمان ہے! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کے لیے ایمان کا اظہار نہ کرنا... ان بد بختوں کے معاشی بائیکاٹ کو ہی ناموس رسول کی قیمت نہ سمجھ بیٹھنا۔ کہیں نبی علیہ السلام کے ان دشمنوں کی چند چیزوں کا استعمال چھوڑ کر نہ سمجھنے لگنا کہ تم نے حضور والا صفات کی گستاخی کا بدلہ لے لیا کا مداوا نہیں، یہ گستاخی سے بڑھ کر گستاخی ہو جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے چھ سو یہودیوں کو قتل کیا تھا، معاشی مقاطعے کی بات نہیں کی تھی۔

کیا آپ نے اس نکتے پر بھی غور کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کے موافق صحابہ کو کعب بن اشرف اور اس جیسے گستاخوں کو قتل کر کے آنے کا حکم دیا، گرفتار کر کے لانے اور مقدمہ چلا کر پھانسی دینے کی بات نہیں کی۔ جن گستاخان رسالت مآب کو صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائے بغیر قتل کر دیا، ان کے خون کو ”ھدر“ (رائیگاں) قرار دے دیا۔ یہ نہیں کہا کہ تم نے پہلے عدالت میں کیوں پیش نہیں کیا۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد ہوا ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (کیا تم نے ان کے حال پر غور کیا ہے جو زعم رکھتے ہیں کہ وہ اس پر بھی ایمان لائے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، جبکہ وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کروائیں، حالانکہ انہیں تو اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے... اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انھیں دور تک بھٹکا کرلے جائے (کہ واپسی ممکن نہ ہو) اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ:

۱۔ جس منافق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو قبول نہ کیا تھا، اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کو حد رقرار دیا، یعنی حضرت عمرؓ کے فعل کی تصدیق کی کہ انہوں نے درست اقدام کیا۔

۲۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔

۳۔ جو طاغوت سے فیصلے کروانا چاہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ آیت بتاتی ہے کہ وہ ایمان کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

۴۔ کافر اور غیر اسلامی حکومتوں سے مطالبات کرنا... سوچ لیا جائے، کہیں ایسا کرنے والے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ کی خاطر طواغیت سے التجا تو نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہے تو شرم آنی چاہیے ایمان کے ایسے دعوے داروں کو... امام مالک رحمہ اللہ سے خلیفہ ہارون الرشید نے گستاخ رسولؐ کا حکم دریافت کیا تھا، تو اس کو جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا تھا: ”مَابَقَاءُ لَامَّةِ بَعْدَ شَتَمِ نَبِيِّهَا؟“ اس امت کا کیا باقی رہنا جس کے نبی کو گالیاں دی جائیں؟

اللہ کی کتاب اور سنت رسولؐ نے یہ بات ہمیشہ کے لیے طے کر دی ہے کہ قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کا رسولؐ ہے، باقی تمام انسان محکوم ہیں، مسلمانوں کا کام بلا چون و چرا اللہ اور رسول کی اطاعت کرنا ہے، احکامات کی تنفیذ ہے، اپنے اوپر اور دوسروں پر۔ کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآن وسنت سے سے باہر اور مغائر کسی اور سے اپنے لیے قانون بنانے کا مطالبہ کرے یا طواغیت کے بنے ہوئے قوانین کو اپنائے۔ اسے تو اللہ اور رسولؐ کے بتائے ہوئے راستے پر، ان ہی کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ کرنا اور کروانا ہے۔ اگر مسلمان کہلانے والے حکمران اور ان کی حکومتوں کی حفاظت کرنے والی ایجنسیاں، ملکی سرحدوں اور حکومتی افراد کی خاطر بے دریغ اندھے قتل کرنے والی ایجنسیاں یا ان کے تربیت یافتہ افراد ناموس رسالت کی حفاظت میں اپنی صلاحتیں نہیں لگاتے تو ان کے پاس اپنے مسلمان ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور قیامت کے دن وہ کس طرح اپنی برات اور عذر پیش کر سکیں گے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں جماعتیں اگر آئندہ الیکشن پر آنے والے اخراجات کو الیکشن کی بجائے ناموس رسالت کی حفاظت اور شاتمین رسول کی سرکوبی کے لیے وقف کریں اور باصلاحیت افراد کو اس کام کے لیے مقرر کریں۔ اس کے برعکس ناموس رسالت کے معاملے پر اگر کسی کو اپنی Show of power کی فکر ہو اور تعداد و بڑھانے کی خاطر مداہنت سے کام لیتا ہو، تو یہ بہت بڑی بدبختی ہے۔ اس وقت تو تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہونا چاہیے۔ ”انما المومنون کجسد واحد“ کی تصویر اگر اب نہیں تو پھر کب؟ دنیا میں امامت و سیادت اللہ تعالیٰ نے مسلم امت کو سونپی ہے، فیصلے کرنے کا اختیار اللہ نے حضور رسول رحمت کو اور امت مرحومہ کو بخشا ہے نہ کہ یہودیوں، نصرانیوں اور پولوسیوں کو۔ سورۃ المومنون کی ابتدا میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ... الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ...وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (ایمان والے فلاح پا چکے ہیں کہ وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں اور بے فائدہ کاموں سے وہ پہلو تہی کرنے والے ہیں۔ اردو میں محاورہ ہے جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں، اس کو انگریزی میں کہتے ہیں: ”Barking dog seldom bite“۔ وہ تو یہی تو چاہتے ہیں کہ ہم اپنے گلے پھاڑیں، اپنے گریبان پھاڑیں، اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں رسوا کریں اور وہ ہمارا تماشا دیکھا کریں۔ ہم ان سے اپنی زندگی، اپنی عزت، حتیٰ کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی بھیک مانگا کریں۔ ہمیں ہانکے پکارے ساری دنیا کو بتا دینا چاہیے کہ ہمارے لیے ناموس رسالت پسند و ناپسند کا معاملہ نہیں، یہ ہمارے عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے، یعنی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ ”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“ (متفق علیہ)

اک عشق مصطفیٰ ہے اگر ہو سکے نصیب
ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہان خراب میں

☆☆☆



ناموس رسالت کا تحفظ ساری امت پر فرض ہے

صرف جہاد ہی سے گستاخوں اور شاتمین کا منہ بند کیا جاسکتا ہے

عبدالہادی احمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو شروع میں کفار قریش نے شدید دشمنی کا رویہ نہیں اپنایا، مگر جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی اور ائمہ کفر کے بیٹے انہیں چھوڑ کر جانے لگے، تو انہوں نے نبی علیہ السلام کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ کبھی ان کو مجنوں کہہ کر اذیت پہنچائی جاتی، کبھی کہا جاتا یہ شاعر ہیں اور کبھی یہ جھوٹ پھیلایا جاتا کہ یہ جادوگر ہیں، جو اُن سے بات کرتا ہے وہ ان کے جادو کا شکار ہو کر کہیں کا نہیں رہتا، لیکن کفار کی کوئی بھی تدبیر اور چال نہ چل سکی، اللہ کی تدبیر فتح یاب ہوئی اور دینِ اسلام غالب ہو کر رہا۔ طفیل بن عمرو دوسا قبیلے کے سردار اور قادر الکلام شاعر تھے۔ مکہ آئے تو انہیں دیکھتے ہی کفار کے سربر آوردہ لوگ ان کی طرف لپکے اور ان کے گرد جمع ہو کر کہنے لگے ”طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے، اس نے ہمارا سارا معاملہ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت کو منتشر اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے، کہیں تم کو اور تمہاری سرداری کو بھی وہی خطرہ نہ لاحق ہو جائے جس سے ہم دوچار ہیں۔ اس لیے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم نہ تو اس شخص سے کوئی بات کرنا نہ اس کی کوئی بات سننا؛ کیونکہ اس کی باتیں بڑی جادو اثر ہیں، اس کی زبان میں بلا کی تاثیر ہے۔ یہ شخص اپنی ان باتوں کے ذریعے باپ بیٹے اور شوہر بیوی میں تفریق کرا دیتا ہے۔“ طفیل نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کانوں میں نہ پڑے، لیکن اللہ کی مشیت کچھ اور تھی، مسجد میں داخل ہوئے تو حضورؐ کی زبان سے نکلنے والے کچھ الفاظ ان کے کانوں تک پہنچ ہی گئے۔ ان کا دل اور دماغ اس کلام کی طرف متوجہ ہو کر رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹے تو طفیل بھی ان کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور حضورؐ سے درخواست کہ وہ اپنا دین ان کو بتائیں۔ حضرت طفیل دوسی کہتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو سورتیں، سورہ اخلاص اور سورۃ فلق پڑھ کر سنائیں۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میں نے اس کلام سے بہتر کوئی کلام نہیں سنا تھا، نہ ان کی باتوں سے بہتر کوئی بات سنی تھی۔ میں نے اس وقت اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس طرح کفار قریش کی چال اُلٹی پڑی۔

یہود کی چال اُلٹی پڑی

> امت مسلمہ کی حمیت مر نہ گئی ہوتی تو اسلامی ممالک کے اجلاس میں یہ اہم مسئلہ اٹھایا جاتا اور یہ اجتماعی اعلان سامنے آتا کہ حضور رسالت مآبؐ پر سب و شتم کرنے والے بدزبانوں کی زبانیں کاٹ دی جائیں گی۔

دور حاضر میں نائن الیون کا واقعہ بھی اسلام کے فروغ کو روکنے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا، دنیا بھر میں یہود نژاد ذرائع ابلاغ اسلام پر منفی باتیں تھوپ کر برانگیختہ کرنے لگے۔ تاہم اس کا حیرت انگیز نتیجہ برآمد ہوا، اسلام کے بارے میں کچھ نہ جاننے والوں نے قرآن اور دیگر اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ یہود نے جو چال اسلام کی ترقی کو روکنے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے چلائی تھی، اللہ کی حکمت بالغہ سے یہ چال الٹی پڑ گئی۔ وہ ڈرامہ جو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے سٹیج کیا گیا تھا اور جس کا بہانہ بنا کر افغانستان اور عراق میں تیس لاکھ مسلمان قتل کر دیے گئے اور جس کی آڑ میں عالمی میڈیا آج بھی اسلام کو وحشت اور دہشت کا مذہب ثابت کرنے میں لگا ہوا ہے، اس سے اسلام اور بھی تیزی سے پھیلنے والا دین بن گیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کے اس دور میں برطانوی خاتون صحافی ریڈلی کے قبول اسلام کا واقعہ پورے یورپ کے لیے سوہانِ روح بن گیا ہے۔ ریڈلی نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا: ”اگر کسی اور قوم کی قید میں ہوتی، تو میرا حال گوانتاناموبے اور ابوغریب جیل کے قیدیوں جیسا ہوتا، مجھے اسلام کی دشمنی افغانستان لے گئی اور اسلام میری آخری تمنا بن گیا، اسی قید نے مجھے کفر کی زندگی سے آزادی دلائی۔ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میں طالبان کی قید میں تھی“۔ خود امریکہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ جو حق کے جویا تھے، ان کو تجسس ہوا کہ دین

اسلام کے خلاف آخر اتنا کچھ کیوں کیا جارہا ہے، دیکھیں تو سہی اسلام کی تعلیمات کیسی ہیں۔انہوں نے اس دین کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور ان تعلیمات سے متاثر ہوکر مسلمان ہو گئے۔جدہ سے شائع ہونے والے جریدے حج وعمرہ کی رپورٹ کے مطابق اسلامک فاؤنڈیشن برطانیہ کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر محمد مناظر احسن نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ نائن الیون کے بعد برطانیہ میں قرآن مجید کی فروخت سات گنا بڑھ گئی اور قبول اسلام کی شرح میں دس سے پندرہ فی صد اضافہ ہوگیا۔نائن الیون کے بعد اب تک نومسلموں کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن میں بڑی تعداد کا تعلق اعلیٰ اور بااثر گھرانوں سے ہے۔مغرب میں اسلام قبول کرنے والوں میں خواتین کی شرح مردوں سے دگنی ہے، جبکہ امریکہ میں یہ شرح ایک اور چار ہے۔دوماہی برطانوی جریدے ایمل کی مدیرہ سارہ جوزف کے مطابق صرف چار برس کے بعد برطانیہ کا سب سے بڑا دین اسلام ہوگا۔ممتاز امریکی جریدے کرسچن سائنس مانیٹر کی رپورٹ کے مطابق گیارہ ستمبر کے حادثے کے بعد اسلام کے بارے میں ابھرنے والے تجسس کی بنا پر اسلام کا پیغام زیادہ سے زیادہ یورپی باشندوں کو اپیل کرنے کا باعث بن گیا ہے۔ہر سال کئی ہزار مرد وخواتین اسلام قبول کرتے ہیں۔امریکہ میں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ ہے جن میں ہر سال بیس ہزار نومسلموں کا اضافہ ہورہا ہے۔اس کے بعد کفار کے پاس اسلام سے نفرت کے اظہار کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے اور کارٹون بنانے جیسے گھٹیا ہتھکنڈے ہی رہ گئے ہیں، جو ان کے آباؤ اجداد اس سے پہلے استعمال کرتے آئے ہیں۔مقصد اس کا بھی وہی ہے جو کفار قریش کا تھا، یعنی مسلمانوں کے دین اور ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کی جائے، تاکہ لوگ ان کے قریب ہی نہ جائیں۔یقیناً اللہ ان ظالموں کی اس چال کو بھی اسی طرح خاک میں ملا دے گا جس طرح وہ پہلی بہت سی چالوں کو خاک میں ملا چکا ہے، ان شاءاللہ۔

گالیاں سن کر دعائیں دیں

پہلی وحی کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوف کی حالت میں گھر تشریف لائے تو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مصیبت زدہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی

> جرم ضعیفی نے ہمیں بے کس و بے سہارا اور مظلوم و مجبور بنا ڈالا ہے، اس لیے کہ اس وقت جن لوگوں کے ہاتھوں میں اسلامی ممالک کا اقتدار ہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے کے بجائے یہود و نصاریٰ کا ایجنٹ ہونے پر فخر ہے۔

کرتے اور حق والوں کو حق دلاتے ہیں۔سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہ گواہی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ نبوت سے پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے لیے سرتا سر رحمت تھے۔عوام الناس میں آپؐ کو خاص مقام حاصل تھا، جب کہ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت اور پیکر صدق وصفا ہونے کے باوجود شدید مخالفت اور نفرت کی مہم کا سامنا کرنا پڑا۔چالیس سال تک صادق اور امین کہلانے کے بعد جب لوگ آپ کو جھوٹا، مجنوں، شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہوں گے تو آپؐ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سلم نے ان گالیوں اور طعنوں کے جواب میں کبھی بھی ایک سخت لفظ تک زبان سے نہیں نکالا۔بلکہ کفار کی نشتر زنیوں پر آپؐ نے جس صبر وتحمل اور شفقت ورحمت کا طرز عمل اختیار فرمایا، اس کی مثال ملنا محال ہے۔آپ گالیاں سن کر دعائیں دیتے رہے، یہ آپؐ کی سیرت طیبہ کا وہ عظیم الشان پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ ربّ العالمین نے آپؐ کے بارے میں فرمایا: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (اور بے شک آپ اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک ہیں) اپنے قبیلے کو آپؐ نے دین کی دعوت دی، تو حقیقی چچا ابولہب نے آپؐ کی سخت توہین کی اور بد دعا دیتے ہوئے کہا:" تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، کیا تو نے ہم کو اس بات کے لیے جمع کیا تھا۔" آپؐ نے چچا کے اس ہتک آمیز رویے پر صبر اختیار فرمایا، لیکن قرآن میں اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا)۔امیہ بن خلف آپ کو دیکھتے ہی گالیاں بکنا شروع کر دیتا اور لعن طعن کرتا تھا، لیکن آپؐ نے اس کے جواب میں ہمیشہ خاموشی اختیار کی، حتیٰ کہ اللہ نے قرآن مجید میں اس کا جواب دیا: وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (بڑی ہلاکت ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو خوگر (وعادی) ہو منہ در منہ طعن (وتشنیع) کا اور پیٹھ پیچھے عیب لگانے کا۔) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے عبداللہ فوت ہوئے تو ابولہب، عاص بن وائل، ابوجہل وغیرہ نے آپ کو "جڑ کٹا" ہونے کا طعنہ دیا، آپؐ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، اللہ نے قرآن میں اس کا جواب دیا: اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ: (یقیناً تیرا دشمن ہی جڑ کٹا اور بے نام ہے) مکی زندگی کے تیرہ سال اسی طرح کی مشکلات میں گزرے، کفار اہل اسلام، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔مکی زندگی میں نبی علیہ السلام کو تنگ کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ان ظالمانہ ہتھکنڈوں سے تنگ آکر تیرہ برس میں چند ایک موقعوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کریمانہ اور شریفانہ انداز میں اپنی ناراضی کا اظہار فرماتے نظر آتے ہیں۔

☆ ابولہب، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ شب و روز آپ کے گھر غلاظت اور گندگی پھینک کر آپ کو اذیت پہنچاتے، آپ زیادہ پریشان ہوتے تو بطور احتجاج فرماتے:"اے بنوعبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟"

☆ دوسرا موقع وہ تھا کہ جب مسجد حرام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، ائمہ کفر نے مشاورت سے عین سجدے کی حالت میں اونٹ کی اوجھڑی حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر پر رکھ دی اور خود کھڑے ہوکر قہقہے لگانے لگے؛ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ملی اور انہوں نے آکر اوجھڑی ہٹائی۔اس وقت آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا:" **اللھم علیک بقریش** "(یااللہ تو قریش سے نمٹ لے)

☆ ایک بار مشرکین نے دوران طواف آپ کو لعن طعن کی تو آپؐ نے فرمایا:"میں تمہارے پاس ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔" اس پر مشرکین ساکت ہوکر رہ گئے۔

یہ دین کی حکمت تھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ طویل مکی زندگی میں زبان مبارک سے یہی وہ سخت سے سخت الفاظ ہیں جو ہمیں احادیث میں ملتے ہیں، یعنی شدید اشتعال دلانے پر بھی نہایت شائستہ اور مہذب الفاظ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد فرمایا۔یہ مکی دور کے حالات تھے جب مسلمانوں کو کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ "ہاتھ روکے رکھو" کا حکم دیا گیا تھا۔یہ دین کی حکمت تھی کہ ابتدائے اسلام میں مسلمان مکہ میں کمزور تھے، کفار کا غلبہ اور کثرت تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کا حکم نہیں دیا۔دوسری حکمت یہ تھی کہ ہر گھر میں اسلام اور کفر کے مابین جھگڑا شروع ہو چکا تھا، اذن جہاد ہوتا تو باپ بیٹا اور ماں بیٹی میں تصادم کی نوبت آجاتی۔یہ بھی مکی دور تھا، جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا (تم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جاچکے ہیں، مگر اس تکذیب پر اور اُن اذیتوں پر جو انہیں پہنچائی گئیں، انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ الانعام:۳۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتوں پر صبر کی تلقین کی گئی، فرمایا گیا ''تم ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے، اس موقعے پر اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔'' مدینہ آنے کے بعد ہاتھ روکے رکھنے کی پابندی اٹھالی گئی۔ ہجرت کے بعد مدینہ دارالاسلام بن گیا، تو اللہ نے جہاد اور قتال کا حکم نازل فرمانے میں دیر نہیں لگائی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے سورۂ حج کی یہ آیت نازل ہوئی: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔)

شروع میں اُن سے جنگ کی اجازت دی گئی جو جنگ آمادہ تھے۔ جو الگ تھلگ رہے، ان سے آپؐ جنگ کے لیے نہیں نکلے۔ اگلے مرحلے پر حکم دیا گیا کہ مشرکین سے جنگ کریں، یہاں تک کہ دین پُورے کا پورا اللہ کے لیے ہوجائے۔ سورۂ توبہ میں واضح کردیا گیا کہ مشرکین کو دسویں ہجری میں صرف چار مہینے کی مہلت دی جائے گی، اس دوران یہ لوگ اپنی پوزیشن پر اچھی طرح غور کرلیں، لڑنا ہو تو لڑائی کے لیے تیار ہوجائیں، ملک چھوڑنا ہو تو جائے پناہ تلاش کرلیں اور اسلام قبول کرنا ہو تو سوچ سمجھ کر قبول کرلیں۔ اس کے بعد یہ جزیرہ نمائے عرب میں نہیں رہ سکیں گے؛ بلکہ جہاں پائے جائیں گے مارے جائیں گے۔'' اسی طرح اہل کتاب میں سے جو لوگ خدا اور رسول ﷺ کے دشمن ہیں اُن سے جنگ کا حکم دیا گیا، یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا قبول کرلیں یا اسلام میں داخل ہوجائیں: ''جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔'' (التوبہ:۲۹)

مکہ میں جہاد وقتال کے لیے وسائل میسر نہ تھے، خصوصاً کسی ریاست کے بغیر قتال دین کی حکمت کے منافی ہوتا، اس لیے کفار کی آئے دن کی

> **عالم کفر ہماری آنکھوں کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا اور ہمیں چڑاتے ہوئے کہتا ہے کہ ''ہم سب چارلی ہیبڈو ہیں'' یعنی ہم سب جان بوجھ کر تمہارے نبی کی توہین کریں گے۔**

گستاخیوں، جبر وتشدد اور سب وشتم پر صبر کا حکم دیا گیا، لیکن مدینہ میں ریاست کے قیام کے ساتھ ہی جہاد (قتال) کی اجازت دے دی گئی۔ جہاد سے مسلمانوں کو وہ قوت حاصل ہوگئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور ناموس کے تحفظ کے لیے ضروری تھی؛ چنانچہ وہ ائمہ کفر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور سب وشتم کو معمول بنائے ہوئے تھے، ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دے کر ان کے قتل کا حکم فرمایا۔ کعب بن اشرف یہودی اپنے اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذمت کیا کرتا تھا، جب وہ باز نہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم فرمایا کہ وہ اس کو قتل کرنے کے لیے کچھ لوگوں کو بھیجیں؛ انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا۔ انہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کرڈالا۔ اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گستاخ رسول ابورافع کے قتل کے لیے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دستے کے ساتھ روانہ فرمایا۔ صحیح بخاری میں تفصیل سے پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن عتیکؓ نے کس طرح اس ملعون کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد کسی کی ہمت نہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرسکتا۔ جہاد سے اللہ نے اہل ایمان کو جو قوت بخشی تھی، ترک جہاد سے اس قوت سے محروم ہوگئے۔ یہ امت جہاد کرتی تھی تو دنیا کی امام تھی، آدھی دنیا اس کی عظمت کو سلام کرتی اور اسے جزیہ دیتی تھی، آج یہ دنیا کے جابروں کے سامنے جھکتی اور ان کی خاطر جان ومال کی قربانیاں پیش کرتی ہے۔ کفار کی جانب سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے پر دلیر ہونا اب ہماری غیرت کو نہیں جگاتا۔ عالم کفر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے دریدہ دہن قلم کاروں کو پناہ دیتا اور انعام واکرام سے نوازتا ہے۔ عالم کفر میں دریدہ دہن آزادئ اظہار کے نام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات اور مقدسات اسلام پر زہریلے حملے کرکے آزاد پھر رہے۔ یقین نہیں آتا کہ دنیا میں ڈیڑھ ارب زندہ مسلمان بستے ہیں، ناموس رسالت ﷺ کے ایک کروڑ کے قریب مسلح محافظ موجود ہیں، مگر اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کا بدلہ لینے سے قاصر ہیں۔

ترک جہاد ذلت کا موجب ہے

قرآن پاک میں صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر تم جہاد کرنے کے لیے نہ اٹھے تو عذاب الیم سے دوچار ہوجاؤ گے: إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا، تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) کیا یہ وہی دور نہیں کہ جب ہم نے جہاد ترک کر دیا اور ''ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا''۔ اس آیت کریم کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا: جب تم عینہ کی تجارت کرنے لگو اور گائے (بیل) کی دمیں پکڑلو اور زراعت پر خوش ہوجاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو گے، تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کردے گا جو اس وقت تک نہیں اتارے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹ آؤ گے۔ آج کا منظر یہی ہے کہ دنیا کی عارضی منفعت کی خاطر جہاد ترک کردیا گیا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ ہم پر ذلت مسلط ہوگئی اور ہم اس قدر کمزور ہوگئے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کے گھٹیا یہود ونصاریٰ بڑی دیدہ دلیری سے نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، مگر ہم ان کو روک نہیں سکتے، احتجاج بھی نہیں کرپاتے۔ حالانکہ احتجاج سے اسلام کے دشمنوں اور ان کی سازشوں کو ختم نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اتنا پتہ تو چلتا کہ مسلمان ابھی راکھ کا ڈھیر نہیں بنا۔ اس وقت جن لوگوں کے ہاتھوں میں اسلامی ممالک کا اقتدار ہے، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے کے بجائے یہود ونصاریٰ کا ایجنٹ ہونے پر فخر ہے۔ اس سے بڑھ کر ذلت کیا ہوگی کہ رسول اللہ کی شان میں گستاخی ہوتی رہے اور ہم لفظی احتجاج تک نہ کرپائیں۔ حالانکہ امت مسلمہ کی حمیت مرنہ گئی ہوتی تو سارے اسلامی ممالک کے اجلاس میں یہ اجتماعی اعلان سامنے آتا کہ حضور رسالت مآب پر سب وشتم کرنے والے بدزبانوں کی زبانیں کاٹ دی جائیں

گی۔آج تو امت میں اتنی دینی غیرت بھی نہیں کہ جن ملکوں میں حکومتی امداد وتعاون سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے اور کارٹون بنائے جاتے ہیں،ان کا اقتصادی بائیکاٹ ہی کر دیں۔حالانکہ دشمنان اسلام کا معاشی مقاطعے سے بھی ہمارے ماتھے سے ناموس نبوت پر حملوں پر خاموشی کی ذلت کا داغ مٹنے والا نہیں ہے جو ذلت ترک جہاد سے ہم پر مسلط ہوئی ہے،یہی وہ جرم ضعیفی ہے جس نے ہمیں بے کس و بے سہارا اور مظلوم ومجبور بنا ڈالا ہے۔

دنیا میں جہاں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں بھی ہماری تلوار کفار کے حکم پر مسلمانوں کی گردنیں مارنے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہے،مسلمان ہی اپنے مسلمان بھائیوں پر دردناک مظالم ڈھا رہے ہیں اور نام کے مسلمان حکمرانوں نے منافقین سے بدتر کردار اپنا رکھا ہے۔مکہ،مدینہ اور حجاز کی دولت یہود ونصاریٰ کی چاپلوسی میں لٹائی جا رہی ہے ،مقدس مقامات کو کافروں کے ہاتھوں میں یرغمال بنا دیا گیا ہے۔اس امت پر کفر کے غلبے کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسلم ممالک میں مسلمانوں کی بیٹی کے سر سے دوپٹہ تک چھینا جا رہا ہے،سرزمین اسلام کو یورپ جیسا بیت الخلا بنانے کے مطالبے ہو رہے ہیں۔جہاد ترک کر کے ہم اپنی اصل طاقت کھو بیٹھے ہیں ،تو کسی کو اس پر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ فحاشی اور عریانی کا سیلاب ہمیں بہا لے جائے۔مغرب فحاشی وعریانی اور جنسی اباحیت کے سیلاب کا رخ ہماری طرف موڑ چکا ہے۔ہم بے بسی سے اس میں بہہ رہے ہیں۔اس سے بڑھ کر بے بسی اور بے کسی کیا ہو گی کہ مسلمانوں کے سر ان کی گردنوں پر سلامت رہے،مگر مسجد اقصیٰ نصف صدی سے ان کی آنکھوں کے سامنے خون کے آنسو روتی رہی،مگر کہیں سے کوئی اس کی پکار پر لبیک کہنے والا دکھائی اور سنائی نہیں دیتا۔کیا سرزمین اسلام افغانستان،عراق، شام اور فلسطین میں ایسی لاشوں کو گنا جا سکتا ہے جو امت مسلمہ کی غفلت کی وجہ سے کفن اور نماز جنازہ کو ترس رہی ہیں۔لاکھوں مسلمان پکار پکار کر اپنے لہو کا حساب مانگ

ہمارا رب آج بھی تنہا کفر کے سارے لشکروں کو شکست دے سکتا ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ امت مسلمہ پہلے خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہونے کے جذبے سے میدان میں نکلے۔

رہے ہیں۔کیا یہ ترک جہاد سے مسلط ہونے والی ذلت نہیں کہ اپنے ملکوں میں بھی کافروں کی غلامی کرنے اور ان کے بوٹ صاف کرنے پر مجبور ہیں۔شام ،فلسطین اور کشمیر میں اسلام کی بیٹیوں کو سر عام بے آبرو کیا جاتا ہے اور اسلام کی محافظ ستر لاکھ افواج بے بسی کے ساتھ یہ منظر دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

اس صورت حال کا علاج وہی شرط پوری کرنا ہے جو شرط حضور رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے "حتّٰی تَرْجِعُوْا اِلیٰ دِیْنِکُمْ "(یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ) کے الفاظ کہہ کر عاید فرمائی تھی،یعنی جہاد فی سبیل اللہ جو ہم نے چھوڑ رکھا ہے،اسے دوبارہ اختیار کر لیں۔اس کے بغیر نہ تو اس ذلت سے چھٹکارا مل سکے گا جو جہاد ترک کرنے کی وجہ سے ہم پر مسلط ہو چکی ہے،نہ ہی دین میں دوبار داخل ہونے کی نوبت آئے گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو دل کی آنکھوں سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ترک جہاد سے ہی عرب وعجم کے مسلمان ناپاک استعمار کی غلامی میں گرفتار ہوئے ہیں،اس سے آزادی کا واحد راستہ جہاد ہے،قبلہ اول پنجہ یہود میں ہے،اس کی خلاصی کا راستہ بھی جہاد ہے۔عالم کفر ہماری آنکھوں کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین جیسے جرم کے مرتکب ہو رہا ہے اور ہمیں چڑاتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ''ہم سب چارلی ہیبڈو ہیں''یعنی ہم سب مل کر اور جان بوجھ کر تمہارے نبی کی توہین کرتے ہیں،تم ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔لہٰذا اسلام اور مقدسات اسلام کو کفر کے ناپاک حملوں سے بچانے کا واحد راستہ بھی جہاد ہے۔

جہاد،ہجرت اور شہادت کے دروازے کل تک ہمارے لیے بند تھے،اس لیے ہم اپنی چھنی ہوئی عزت وعظمت کو کسی طرح واپس لینے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے،مگر صد شکر کہ آج لاکھوں شہداء نے اطراف عالم میں اپنی گردنیں راہ حق میں کٹا کر مسلمانوں کے لیے جہاد کے بند راستے کھول دیے ہیں۔کاش!اس امت کے سارے علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہو جائے کہ جہاد ہی ہمارے تمام مسائل کا حل،ذلت سے نجات کی راہ اور بخشش کا ذریعہ ہے۔سلام افغانستان اور دنیائے اسلام میں مجاہدین کے ان نورانی دستوں پر کہ جنہوں نے اپنے سر اپنی ہتھیلیوں پر اٹھا لیے،اللہ کے راستے میں گردنیں کٹوانے کی نذر مان لی ،کفر کے نظام کو مسترد کر دیا اور اسلام کا پرچم بلند کر کے امت کو بھولی ہوئی راہ دکھا دی۔روس کے خلاف جہاد ادھورا رہا،مجاہدین کے سردار منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی مال غنیمت پر لڑ پڑے ،پھر بھی جہاد کے معجزے نے دنیا کے سب سے طاقت ور ملک روس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا،ساری دنیا میں شیطان کی عمل داری اتھل پتھل ہو گئی۔اگرچہ جہاد کے اثرات کی نفی کرنے والوں نے کہا ،روس اس لیے شکست کھا گیا کہ مجاہدین کو درجنوں ممالک کی حمایت،افواج اور اسلحے کی امداد حاصل تھی...لیکن امریکہ کے خلاف جہاد نے یہ الزام بھی ختم کر دیا۔طالبان تنہا اور نہتے تھے،جب کہ امریکہ کو دنیا کے چالیس سے زیادہ ممالک کی مدد حاصل تھی،یہاں تک کہ تمام اسلامی ممالک بشمول افغانستان،پاکستان اور سعودی عرب وغیرہ بھی امریکہ کے ساتھ تھے،لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معجزے سے کفر کی متحدہ قوت کو تنکوں کی طرح بکھیر دیا۔اس طرح رب العالمین نے اس امت کے سامنے عزت وسرفرازی کی راہ روشن کر دی۔جیسا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ،اَنْجَزَ وَعْدَهٗ،وَنَصَرَ عَبْدَهٗ،وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ....مسلم)''کوئی معبود نہیں،تنہا اللہ ہی عبادت کے لائق ہے،اس نے اپنا وعدہ پورا کیا،اور اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور تنہا سارے لشکروں کو شکست دے دی''۔ہمارا رب آج بھی تنہا کفر کے سارے لشکروں کو شکست دے سکتا ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ امت مسلمہ پہلے خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہونے کے جذبے سے میدان میں نکلے۔

اے ہمارے رب !تو ہمارے لیے جہاد کے راستوں کو روشن فرما اور تنہا کفر کے سارے لشکروں کو شکست دے کر اپنے مسکین ومستضعفین بندوں کی نصرت فرما۔آمین یارب العالمین۔

جہاد،ہجرت اور شہادت کے دروازے کل تک ہمارے لیے بند تھے،اس لیے ہم اپنی چھنی ہوئی عزت وعظمت کو کسی طرح واپس لینے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے،مگر صد شکر کہ آج لاکھوں شہداء نے اطراف عالم میں اپنی گردنیں راہ حق میں کٹا کر مسلمانوں کے لیے جہاد کے بند راستے کھول دیے ہیں۔کاش!اس امت کے سارے علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہو جائے کہ جہاد ہی ہمارے تمام مسائل کا حل،ذلت سے نجات کی راہ اور بخشش کا ذریعہ ہے۔



غازی ممتاز حسین قادری شہید۔۔۔جس نے بدن کے بدلے حیاتِ دائم خرید کی ہے

ناموس رسولؐ پر قربان ہونے والے شہید کی کہانی.... بڑے بھائی کی زبانی (دوسرا اور آخری حصہ)

۲۹ فروری ۲۰۱۶ء صبح چار بجے نواز شریف حکومت نے خاموشی سے غازی ملک ممتاز حسین قادری کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ یہ حکومتی جلد بازی اپنے اندر ہزار داستانیں رکھتی ہے۔ ناموس رسالت ﷺ کے ایک محافظ کو پھانسی دینے اور فوراً ہی عمل درآمد میں حکام اور مختلف عدالتوں کا اتفاق اور تعاون حیرت انگیز تھا۔ اس کے بعد آزاد ہونے کا دعویٰ کرنے والے میڈیا نے جس طرح پاکستان کی تاریخ کے اس عظیم اجتماع کا مکمل بائیکاٹ کیا، اب اس راز سے بھی پردہ اٹھ چکا ہے کہ معمولی خبروں کو بریکنگ نیوز بنانے والوں کے لیے لاکھوں کا عظیم الشان اجتماع کیوں خبر نہ بن سکا۔ بہر حال غازی ممتاز حسین کامیاب ہوئے، اس لیے کہ وہ تو شروع دن سے یہی چاہتے تھے کہ اپنے آقا علیہ السلام کے ناموس پر قربان ہو جائیں۔ پھانسی کی رات بھی ان کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ اس رات غازی ممتاز قادری جتنے لوگوں سے ملے، ان سب نے کہا، وہ غیر معمولی طور پر پُر اعتماد اور مطمئن تھے۔ ملاقات کے لیے آنے والے اہل خانہ سے کہا، آپ مٹھائی لے کر کیوں نہیں آئے۔ جیل حکام کے مطابق غازی ممتاز قادری نے رات کا بیشتر وقت عبادت کرنے میں گزارا، تختہ دار پر جانے سے پہلے غسل کیا، نماز پڑھی اور خصوصی دعائیں کیں، پریشانی کے اثرات ممتاز قادری کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔ صبح سویرے نفل ادا کرنے کے بعد ممتاز قادری کو تختہ دار پر لٹکانے کے لیے لایا گیا، تو جیل کے سارے عملے کو اچھے الفاظ میں دعائیں دیں۔ دم آخر زبان پر درُود تھا۔ غازی ممتاز حسین قادری کے آخری دنوں کی روح پرور داستان کا پہلا حصہ شہید کے بڑے بھائی جناب دل پذیر اعوان کی زبانی آپ گزشتہ شمارے میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس داستان ایمان وحمیت کا بقیہ حصہ خصوصی شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے۔

دل پذیر اعوان

غازی ممتاز حسین قادری پر کسی قسم کا تشدد اثر انداز نہ ہوا تو باہر سے ایک ٹیم بلائی گئی، جو چھ سات افراد پر مشتمل تھی۔ انہوں نے غازی صاحب پر تشدد کی انتہا کر دی۔ میرے بھائی نے مجھے بتایا: ’’مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ انگوٹھے کے ذریعے میرے حلق سے جان نکال رہے ہیں، میں نے اپنے رب سے ضبط اور حوصلہ مانگا، اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پایا۔ اب مجھے درد نہیں ہوتا تھا، وہ مجھے بار بار ٹارچر کرتے تھے، مگر مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی چیونٹی یا مکھی میرے جسم پر چل رہی ہے۔ تفتیشی ٹیم کے ارکان نہایت حیرت سے آپس میں باتیں کرتے رہے اور میں مسکراتا رہا۔ یقیناً مجھے کوئی سدھ بدھ نہیں تھی، میرا بدن تو یہاں تھا، مگر میں خود وہاں تھا جہاں جانے کے لیے ہر عاشق رسول ﷺ تڑپتا ہے‘‘۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آئی، انہوں نے غازی صاحب کا معائنہ کیا۔ تشدد کرنے والوں نے پولیس افسروں اور ڈاکٹروں سے کہا، یہ آدمی تشدد کی وجہ سے اپنا دماغی توازن کھو چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے تفصیلی معائنے کے بعد یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ غازی ممتاز قادری کے دل یا دماغ پر کوئی اثر ہوا ہے، ان کا تاثر یہ تھا کہ انہوں نے برس ہا برس تک لوگوں کے دل و دماغ کے معائنے کیے ہیں، آج تک اتنے تشدد کے بعد کسی شخص کے دل کی دھڑکن اس قدر پر سکون نہیں دیکھی، جتنی ممتاز قادری کی دیکھی ہے۔ انہوں نے کہا، اگر کوئی کہتا ہے کہ وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں، تو اس کا اپنا ذہنی توازن درست نہیں، یہ دلی اور دماغی طور پر بالکل ٹھیک اور نارمل ہیں۔ ڈاکٹر سے یہ سن کر کہ انہوں نے اپنی زندگی میں



بڑے بڑے مضبوط اعصاب کے ملزموں کا معائنہ کیا ہے، تشدد کے بعد وہ اندر سے ہل جاتے ہیں، مگر ممتاز قادری بالکل نارمل ہیں، ہم نے کسی کو اتنا پرسکون نہیں پایا۔ یہ بات سن کر تفتیشی افسر اور آئی جی اسلام آباد سمیت تمام اہل کار حیرت زدہ رہ گئے۔

میں بھائی سے ملنے جیل گیا، تو قیدیوں نے مجھے بتایا کہ غازی صاحب کو بکتر بند گاڑی میں اڈیالہ جیل لایا گیا تھا۔ وہ گاڑی سے یوں اترے جیسے کوئی بادشاہ اترتا ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے پولیس کو ہائی الرٹ کا حکم ملا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی بندوقیں سیدھی کر رکھی تھیں، لیکن غازی صاحب کو دیکھتے ہی پولیس اہل کاروں نے اپنی بندوقیں نیچی کر لیں اور ان کی گردنیں جھک گئیں اور کئی ایک بے اختیار دوڑ کر غازی صاحب کے پاس آئے اور ان کے ہاتھ چوم لیے۔ جن قیدیوں کو پتہ چلا کہ غازی صاحب بھی اڈیالہ جیل میں آگئے ہیں، تو وہ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مضطرب ہو گئے۔ اڈیالہ جیل کی دیواریں تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھیں اور جیل کی مختلف بیرکوں سے "ہمارا سردار آ گیا... آقا ﷺ کا جاں نثار آ گیا" کی گونج سنائی دینے لگی۔ سخت سکیورٹی میں غازی صاحب کو ایک کمرے میں لے جایا گیا، تو انہوں نے کہا، میری ہتھکڑی کھولو، مجھے نماز عصر ادا کرنی ہے۔ ایک اہل کار نے آگے بڑھ کر ہتھکڑی کھول دی۔ سینئر افسر نے اس کو ڈانٹا بھی کہ ہتھکڑی کیوں کھولی، مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ نماز عصر کی امامت غازی صاحب نے کروائی اور قیدیوں سمیت پولیس اہل کاروں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی۔ ملازمین انہیں دوبارہ ہتھکڑی لگانے سے گریز کر رہے تھے۔ مگر ڈپٹی جیلر نے زبردستی انہیں ہتھکڑی اور بیڑی پہنائی، جنھیں بعد میں عدالت کے حکم پر اتارا گیا۔ غازی صاحب کو پہلی مرتبہ عدالت میں پیش کیا گیا تو سخت ترین سکیورٹی کے انتظامات کیے گئے تھے، حالانکہ جیل کی دیواریں پندرہ فٹ اونچی تھیں اور یہ سب کچھ اس شخص کو فرار ہونے سے روکنے کے لیے کیا جا رہا تھا جس نے رضا کارانہ طور پر گرفتاری پیش کی تھی اور جو خود اپنے آقا ﷺ کی خاطر خوشی خوشی تختہ دار پر چڑھنا چاہتا تھا۔

عدالت کے باہر راولپنڈی اور اسلام آباد کے تمام وکلاء اپنے وکالت نامے ہاتھوں میں لیے کھڑے تھے۔ یہ منظر جج صاحب نے دیکھا تو وہ بھی حیران رہ گئے۔ ہر وکیل کی خواہش تھی کہ غازی صاحب اس کے وکالت نامے پر دستخط کریں۔ ان کا کہنا تھا ہم چاہتے ہیں کہ قیامت کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے آپؐ کے غلام کی وکالت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ سب کو وکیل بنانا ممکن نہ تھا، پھر بھی غازی صاحب نے اڑھائی سے تین سو وکلاء کے وکالت ناموں پر دستخط کیے۔ وہ وکلاء جو پیروی نہ کر سکے، انہوں نے بھی یہ کاغذات بطور اعزاز اپنے پاس رکھ لیے۔ غازی صاحب کو کمرۂ عدالت میں جج کے سامنے لایا گیا، تو ان کی گردن پر تشدد کے نشان واضح تھے۔ وکلاء نے جج صاحب سے کہا کہ ہم طبی معائنہ کرانا چاہتے ہیں۔ عدالت کی طرف سے کہا گیا کہ اب ان کا ریمانڈ نہیں لیا جائے گا، انہیں جیل بھیجا جائے گا۔ تاہم وکلاء کے اصرار پر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم طلب کر لی گئی جس نے ان کا تفصیلی معائنہ کیا۔ ڈاکٹروں کے حوالے سے اخبارات میں یہ رپورٹ شائع ہوگئی کہ غازی صاحب پر بہت تشدد کیا گیا ہے۔ تاہم یہ رپورٹ یہ بتانے میں ناکام رہی کہ تشدد کے اصل محرکات کیا تھے۔ ڈاکٹروں کی ٹیم کا مطالبہ تھا کہ غازی صاحب کو ان کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ لیبارٹری اور جدید ٹیکنالوجی سے تشدد کی نوعیت جان سکیں اور یہ بھی کہ آیا ان زخموں سے ان کے بدن اور دماغ پر مہلک اثرات تو نہیں ہوئے۔ عدالت کے باہر لوگوں کا جم غفیر غازی صاحب کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھا۔ سکیورٹی کے پیش نظر جج صاحب نے انہیں ہسپتال جانے کی اجازت نہ دی اور بکتر بند گاڑی میں اڈیالہ جیل روانہ کر دیا۔ تشدد اس کے بعد بھی جاری رہا، لیکن ہر بار غازی ممتاز قادری کا عشق رسولؐ سے لبریز بیان سامنے آتا تھا کہ گستاخ رسولؐ کو قتل کرنا ان کا ذاتی فعل تھا، کسی دوسرے کا اس میں دخل نہ تھا۔

قید تنہائی کی فرمائش

اڈیالہ جیل راولپنڈی پہنچ کر غازی ممتاز قادری نے واحد فرمائش یہ کی کہ انہیں تنہا رہنے کی اجازت دی جائے، حالانکہ ہر قیدی کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے قید تنہائی کے بجائے ایسی جگہ رکھا جائے جہاں کچھ رونق ہو اور دوسرے کچھ قیدی بھی ہوں جن سے گپ شپ میں وقت گزارا جا سکے۔ لوگ ایسے ماحول کی خاطر سفارش اور رشوت سمیت غیر قانونی ذرائع کا سہارا بھی لیتے ہیں، لیکن بھائی صاحب نے اپنے لیے ایک الگ سیل کا مطالبہ کر کے جیل انتظامیہ کو حیران کر دیا۔ ہم غازی صاحب سے ملاقات کے لیے گئے تو ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا تکلیف دہ فیصلہ کیوں کیا، حالانکہ قید تنہائی تو بجائے خود ایک سزا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا، الحمدللہ، مجھے کوئی مشکل نہیں، تنہائی تو اسے محسوس ہوتی ہے جسے دنیا سے رغبت ہوتی ہے۔ مجھے دنیا کی کوئی چیز تسکین نہیں دیتی، میری راحت سرکار دوعالم کی محبت میں ہے اور ان کی چاہت اور محبت اگر جیل کی کوٹھڑی اور قبر میں بھی مہیا ہو جائے تو پھر قید تنہائی کیا معنی رکھتی ہے۔ یہ بات سن کر ہمارے دل مطمئن ہو گئے اور ہماری سفارش پر جیل انتظامیہ نے غازی صاحب کو الگ سیل مہیا کر دیا۔ بعد میں ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ غازی صاحب رات بھر تلاوت قرآن اور نوافل میں مصروف رہتے ہیں، دن بھر وظائف پڑھتے اور درود پاک کا ورد کرتے ہیں۔ قید تنہائی میں آپ کا ماحول ذکر الٰہی سے سج جائے تو اور کیا چاہیے۔ الحمدللہ، آپ نے جیل میں پانچ وقت نماز باجماعت کا اہتمام کیا۔ اس سے پہلے جو کمی آپ کو اپنی عبادت میں محسوس ہوتی تھی، اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر وہ کمی دور کر لی، عبادت خصوصاً نوافل کا آپ نے خوب اہتمام کیا۔ آپ کا ذوق عبادت دیکھ کر دوسرے ملازمین اور قیدیوں میں بھی عبادت کا شوق پیدا ہوا۔ غازی ممتاز حسین قادری اپنی ابتدائی زندگی میں بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ذوق عبادت اور ذکر و فکر ان کو عشق رسول ﷺ سے ملا



تھا۔ فارغ اوقات میں عشق رسول ﷺ ان کو بے قرار رکھتا تھا اور وہ نعتیں گنگناتے رہتے تھے، وہ اکثر بچوں کو بھی نعتیں سکھاتے اور پھر ان سے سنا کرتے تھے۔ خود اختیار کردہ قید تنہائی میں بھی انہوں نے یہ مشغلہ جاری رکھا۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی نے انہیں ہمہ وقت عبادت میں مصروف دیکھا اور نعتیں گنگناتے سنا، تو اس نے ڈاڑھی رکھ لی۔ اکثر سپاہی وہاں ایک ہی ہفتے کی ڈیوٹی دیتے تھے۔ وہ گھر واپس جاتے تو ان کے گھر والے بھی ان کے چہروں پر سجی ہوئی ڈاڑھی اور نمازوں کی پابندی سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ اکثر سپاہیوں نے غازی صاحب کے کہنے پر قرآن پاک کی تلاوت کو معمول بنا لیا۔ کئی ایک تو حفظ بھی کرنے لگے۔ مجھے کئی سپاہیوں نے کہا، ہم غازی صاحب کے چہرے کی طرف دیکھ نہیں سکتے۔ جیل انتظامیہ نے غازی صاحب کی محبت کا گہرا اثر اہل کاروں پر دیکھا تو ہر سپاہی کی ڈیوٹی ایک ہفتے سے کم کر کے ایک دن تک محدود کر دی، تاکہ انہیں غازی صاحب کی زیادہ صحبت میسر نہ آئے۔ اللہ کی عبادت کے ساتھ ساتھ وہ خلق خدا کی محبت سے بھی سرشار تھے۔ جب انہیں پتہ چلتا کہ فلاں قیدی ضمانت کی فیس نہ ہونے کی وجہ سے چھوٹے جرم کی بڑی سزا کاٹ رہا ہے، تو وہ ہم سے کہتے تھے کہ اس کی فیس کا بندوبست کریں۔ الحمدللہ ان کی کاوش سے کئی قیدیوں کو رہائی ملی، مگر ہمارے میڈیا پر یہ سب کچھ نہ دکھایا جاسکا۔

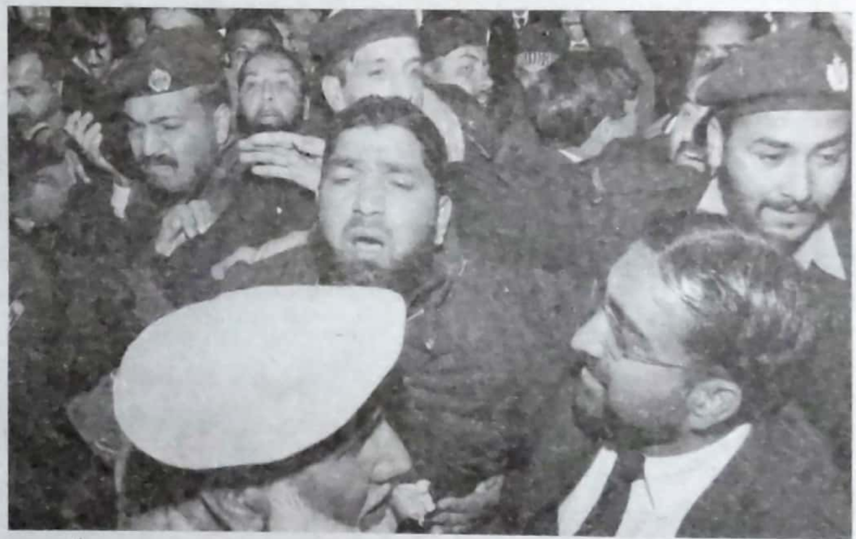
جیل کے اندر عدالت

غازی صاحب کے جیل جانے کے بعد عوام الناس نے جس طرح ان کی پزیرائی کی، جگہ جگہ جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں میں ان کے اس عمل کو سراہا، مساجد، مدارس، کالجوں، سکولوں اور یونی ورسٹیوں میں ان کی تائید ہونے لگی، لوگ ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے چین رہتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کی فوٹو مانگنے ہمارے گھر آتے تھے۔ ان کی بڑھتی ہوئی شہرت اور عقیدت نے حکومت وقت کو اس خوف سے دوچار کر دیا کہ لوگ عدالت میں ان کی پیشی کے موقعے پر امن امان کا مسئلہ نہ پیدا کر دیں۔ چنانچہ اس کے بعد جیل کے اندر ہی دہشت گردی کی عدالت لگائی گئی، اس نے جیل کے محفوظ علاقے میں غازی صاحب کا کیس سنا۔ ہم لوگ صبح آٹھ بجے پہنچ جاتے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے غازی صاحب کو بیڑیوں اور ہتھکڑیوں سے سجایا ہوا وہاں لایا جاتا۔ تاہم کیس کی سماعت کرنے والے جج صاحب کسی وقت کے پابند نہ تھے۔ رفتہ رفتہ عدالت میں مقدمے کی کارروائی سننے والے لوگوں کی اجازت محدود کر دی گئی۔ ہمارے گھر سے بھی صرف دو افراد عدالت میں جا سکتے تھے۔ ایک تو ہمارے والد بشیر احمد صاحب کو اجازت ملی اور ایک مجھے، یعنی غازی صاحب کے بھائی دلپذیر اعوان کو۔ جج صاحب اکثر گیارہ بجے آتے، اس دوران ہمارا وقت اچھا گزرتا، تقریباً اڑھائی گھنٹے تک ہم اس عاشق رسولؐ سے دل میں اترنے والی آواز میں نعتیں سنتے تھے۔ ان کے ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے ہاتھ خوب چومتے اور ان کی مخصوص موہنی مسکراہٹ دیکھ کر نہال ہوتے۔ ان کی ایمان افروز باتیں سن کر اپنے دل کر گرماتے، ان کے اندر عشق مصطفیٰ ﷺ کی جو مشعل روشن ہو گئی تھی وہ ہمارے اندر ٹمٹمانے والے دیئوں کی لو بڑھانے کا باعث بن رہی تھی۔

یوں تو سلمان تاثیر کو کیفر کردار تک پہنچانے سے بہت پہلے ہی غازی ممتاز حسین قادری میں تبدیلی آ چکی تھی، لیکن اس کے بعد خصوصاً جیل میں وہ بہت بدلے ہوئے لگتے تھے۔ پہلی بار ہم تقریباً تین ماہ بعد غازی صاحب سے ملاقات کے لیے گئے تو خیال تھا کہ وہ ہمیں خوب گلے لگائیں گے اور جدائی کے دنوں کی حسرت نکالیں گے، ہم بھی لپٹ لپٹ کر ان سے گلے ملیں گے اور جیل سے باہر کے واقعات انہیں سنائیں گے۔ ان سے پوچھیں گے کہ آپ کو یہاں کیا کچھ تکلیف ہے۔ کھانے کو کیا ملتا ہے، کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، لیکن جیسے ہی ہم ان کے چھ ضرب آٹھ فٹ کے سیل میں داخل ہوئے، جس کے اندر ہی باتھ روم بھی تھا، غازی صاحب نے کسی خاص جذباتیت کا اظہار نہیں کیا۔ ہمارا استقبال مسکراہٹ سے ضرور کیا، مگر بس ...ایک روا روی کے انداز سے ملے اور والد صاحب اور سب بھائیوں کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ ہماری ضیافت طبع کا انتظام بھی انہوں نے پہلے سے کیا ہوا تھا۔ مختلف خشک میوے اور دیگر لوازمات پیش کیے۔ اس کے بعد بڑی پرسوز اور خوب صورت آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کی۔ اس کے بعد حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبولؐ پیش کی۔ اس کے بعد ہم سے کہا، اگر آپ میں سے کسی کی خواہش ہو تو میں مزید بھی نعت سنانے کے لیے حاضر ہوں۔ ہم جو کچھ سوچ کر آئے تھے وہ بتانے کی نوبت ہی نہ آئی، نہ ہی اس بات کا موقع ہمیں مل سکا کہ ان سے کچھ روداد غم سنیں: چنانچہ ہم نے باری باری ان سے فرمائشیں کیں اور وہ اپنی پسندیدہ نعتیں سناتے رہے۔ ہمارے ساتھ چند بچے بھی تھے۔ غازی صاحب نے ان سے باری باری پیار کیا اور معمول کے مطابق ان سب سے نعت سنانے کے لیے کہا اور ان کو شاباش دی۔

غازی صاحب کے تختہ دار پر جانے سے دو دن پہلے ہماری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات تک جو چھ برس گزرے، ان میں ان گنت ملاقاتیں ہوئیں، ان کا یہی معمول رہا، وہ عملاً دنیا اور اس کے علائق سے کٹ گئے تھے۔ ہم سے گھر کی باتیں نہیں پُوچھتے تھے۔ نہ ہی اپنے دوستوں اور احباب، رشتے داروں، یہاں تک کہ اپنے اکلوتے بیٹے کا حال احوال بھی نہ پوچھتے، ہاں ہم میں سے کوئی باہر کی بات از خود کوئی موقع ملنے پر انہیں بتا دے۔ نہ ہی انہوں نے اپنے کیس کے بارے میں کبھی کوئی ایک لفظ کہا کہ سناؤ کیس کا کیا بنا، کون سی کورٹ میں چل رہا ہے اور کس سطح پر پہنچ چکا ہے۔ غرضیکہ وہ جس راستے کے مسافر تھے، بس اسی کا خیال ان کے دل میں تھا، اپنے مشن، مقصد اور منزل کا گہرا شعور ان کے اندر موجود تھا۔ ہم نے پہلی بار غازی صاحب کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور دونوں پاؤں میں بیڑیاں دیکھیں تو تمام اہل خانہ اور وکلاء نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ ہم نے اس موقعے پر انتظامیہ سے کہا کہ ہمارے بھائی نے جب اس گستاخ رسول کو مارا تھا، تو اگر اس وقت بھاگنا چاہتا تو اس کے لیے ممکن بھی تھا، مگر جب

اس نے خود گرفتاری دی تو جیل کی ان دیواروں سے کیوں اور کیسے بھاگے گا، پھر اسے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں کیوں جکڑا جارہا ہے۔ یہ ایک المناک حقیقت ہے کہ ان ہی عدالتوں میں ملک لوٹنے والے کرپٹ سیاست دان اور چور ڈاکو پورے احترام سے لائے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بہت دکھ دیتی تھی کہ ایک عاشق رسولؐ کے ساتھ ایسا سلوک ہورہا ہے۔ ہم نے جیل انتظامیہ اور ججوں سے احتجاج کیا، مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی تو ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔ وہاں سے فیصلہ ہمارے حق میں آیا۔ اب ان کو پیشی کے لیے تو ہتھکڑی اور بیڑی میں لاتے تھے، مگر عدالت میں پیش کرنے سے پہلے بیڑیاں کھول دی جاتیں۔ جج کا رویہ انتہائی متکبرانہ تھا۔ وہ ہمارے وکلاء کے دلائل پر توجہ دینے کے بجائے ادھر ادھر دیکھتا رہتا تھا۔ اس سے قبل دو اور ججوں نے اس



کیس کی سماعت کی مگر دہشت گردی کورٹ نمبر ایک کے جج نے یہ کہہ کر کیس سننے سے ہی انکار کردیا کہ ایک عاشق رسولؐ نے حب رسول ﷺ میں یہ کام کیا ہے، میرے حساب میں اس کی کوئی سزا ہی نہیں بنتی۔ میں ایک عاشق رسول ﷺ کو مجرموں کی طرح اپنے سامنے کھڑا کرکے ان کا کیس نہیں سن سکتا۔ اس کے بعد غازی صاحب کا کیس عدالت نمبر دو میں منتقل کردیا گیا۔ دوسرے جج نے بھی چند سماعتوں کے بعد یہ کہہ کر کیس سے علاحدگی اختیار کرلی کہ قانون جو کہتا ہے کہے، مگر میرا وجدان ایک لمحے کے لیے بھی ممتاز حسین قادری کو مجرم نہیں سمجھ سکا۔ لوگوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ جج صاحب کی آنکھوں میں آنسو نمایاں ہوگئے۔ انہوں نے کہا، میری ملازمت جاتی ہے تو جائے، میں اس عاشق رسول ﷺ کا کیس نہیں سنوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد پرویز نامی ایک جج کو لالچ دے کر لایا گیا۔ آنسو اس نے بھی بہت بہائے، مگر بعد میں پتہ چلا کہ یہ مگر مچھ کے آنسو تھے، اسی پرویز نے غازی صاحب کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔

سیف الملوک... سلمان تاثیر کا وکیل

سلمان تاثیر کی نماز جنازہ پڑھانے سے جس طرح علماء نے انکار کیا، وہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ اسی طرح کوئی مقتول گورنر کا کیس لڑنے کے لیے کوئی وکیل بھی آمادہ نہ تھا۔ ایک سرکاری ادارے کے ریٹائرڈ افسر سیف الملوک کو بمشکل تیار کیا گیا، اسے بھی پورے خاندان کا تحفظ اور امریکی ویزے کا لالچ دیا گیا۔ اس کے باوجود وہ پورا وقت گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا رہا۔ تین چار سماعتوں کے بعد ایک دن ایک شخص بدحواسی کے عالم میں تیزی سے کمرۂ عدالت میں داخل ہوا۔ سب کو حیرت ہوئی کہ اتنی سکیورٹی میں سے گزر کر وہ کس طرح آ گیا۔ سکیورٹی گارڈز نے اسے پکڑا تو اس نے کہا، میں سیف الملوک ہوں۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ میں اس کیس میں سرکاری وکیل ہوں۔ اس کی ہیت کذائی یہ تھی کہ بال بکھرے ہوئے اور شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور پاؤں میں گھر میں پہنے جانے والے سلیپر تھے۔ اس کا چہرہ لال دانوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ ٹانگوں اور پورے جسم پر مسلسل خارش کررہا تھا اور جج صاحب سے کہہ رہا تھا، جناب میری طبیعت سخت خراب ہے، میرے جسم پر دانے نکل آئے ہیں، لہٰذا آج کی سماعت ملتوی کردیں۔ اسے دیکھ کر جج تو حیران تھا ہی، ہم سب اور ہمارے وکلاء بھی سخت حیران ہوئے۔ ہمارا اصرار تھا کہ کیس کو ہفتہ وار ہی چلنے دیا جائے، مگر جج نے کہا، پندرہ دن بعد سماعت کا وقت مقرر کریں، لیکن سیف الملوک چیخنے لگا، مجھے کم از کم تین ماہ دیے جائیں۔ اس لیے کہ میری حالت بہت زیادہ خراب ہے اور میرے جسم سے پیپ نکل رہی ہے۔ پندرہ دن بعد سماعت کا فیصلہ ہوا، لیکن سیف الملوک اس موقعے پر موجود نہیں تھا۔

ہمیں جب معلوم ہوا کہ اگلی سماعت پر ممتاز قادری صاحب کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا جائے گا تو ہم تقریباً تیس کے قریب وکلاء کے ساتھ ٹرائل کورٹ کے جج پرویز سے ملنے گئے اور اس سے پوچھا کہ آیا یہ درست ہے کہ وہ اگلی سماعت پر فیصلہ سنا رہے ہیں؟ تو جج نے شدت سے انکار کیا اور کہا، ایسی بات نہیں، ابھی تو ممتاز قادری کے وکلاء نے دلائل دینے ہیں، پھر گورنر کے وکیل سیف الملوک کو جرح کرنی ہے۔ ابھی تو کیس کافی عرصے تک چلے گا۔ فیصلے کا وقت قریب آیا تو میں آپ کو سماعت کے وقت موجود رہنے کی اجازت دوں گا۔ مگر جج نے ہمیں وکلاء اور عوام الناس کو دھوکہ دیا اور تین دن بعد ہونے والی سماعت پر بغیر دلائل سنے یا جرح کا وقت دیے فیصلہ سنا دیا۔ فیصلہ یوں سنایا گیا جیسے کوئی جرم کیا جارہا ہو، عدالت کا وقت شروع ہونے سے کئی گھنٹے پہلے فیصلہ سنایا گیا۔ ہمیں تو سماعت کے لیے کیا بلایا جاتا، ہمارے وکلاء کو بھی اطلاع نہیں دی گئی۔ پس جج پرویز صبح چھ بجے غازی صاحب کو سزائے موت کا فیصلہ سنا کر پچھلے راستے سے باہر نکل گیا۔

اگلی سماعت کے روز ابھی صبح چھ ساڑھے چھ بجے تھے کہ مجھے اڈیالہ جیل سے نوائے وقت کے نمائندے سلطان سکندر صاحب کا فون آیا۔ فون اٹھایا، تو وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے، بہت ظلم ہوگیا، بہت بڑا ظلم ہوگیا۔ میں نے سمجھا شاید ان کے گھر کوئی حادثہ ہوگیا ہے۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگے، آپ کے بھائی کو جج نے دو بار سزائے موت سنادی ہے اور عدالت سے چلا گیا ہے۔ میں نے حیرانی سے کہا، جناب کیا بات کررہے ہیں، ابھی تو ساڑھے چھ بجے ہیں اور عدالت دس بجے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ کہنے لگے نہیں...نہیں... میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔ میں اس وقت اڈیالہ جیل کے دروازے کے باہر کھڑا ہوں اور جج بکتر بند گاڑی میں بیٹھ کر سکیورٹی کے حصار میں روانہ ہوگیا ہے۔ میں نے دل میں کہا، شاید سلطان سکندر صاحب نے کوئی خواب دیکھا ہو، یہ کیسے ممکن ہے ساڑھے چھ بجے پاکستان میں کیا، دنیا میں کوئی عدالت نہیں لگتی، لیکن وہ مسلسل رو رہے تھے۔ میں ٹیلی فون بند کرکے دوبارہ لیٹ گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد دوبارہ ایک صحافی کا فون آیا، اس نے بھی وہی بات کی۔ اس پر میں نے اس خبر کا سنجیدگی سے نوٹس لیا اور فوراً اٹھ کر کچھ دوستوں سے رابطہ کیا جو اڈیالہ جیل کے قریب رہتے تھے۔ انہوں نے دس پندرہ منٹ میں مجھے یہ مصدقہ خبر بتا دی کہ غازی صاحب فجر کی نماز پڑھ کر آرام کررہے تھے کہ انہیں اٹھا کر جج کے سامنے پیش کیا گیا اور جج نے ایک لکھا لکھایا فیصلہ انہیں تھما دیا۔ وہ جج یہ فیصلہ پڑھ کر چلا

گیا۔ اس خبر کی تصدیق ہونے کے بعد ہم نے والد صاحب کو اطلاع دی، جب ہم سب اڈیالہ جیل پہنچے تو وہاں ہزاروں لوگ سراپا احتجاج تھے۔ صحافیوں نے مجھے بتایا کہ بعض سرکاری افسروں کا کہنا ہے کہ جج نے یہ فیصلہ سنانے کے بعد ائرپورٹ کی راہ لی ہے جہاں اس کی فیملی پہلے سے موجود تھی۔ وہاں سے وہ اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔

پرویز کا پرویزی فیصلہ اور غازی کا عالمِ شوق

پرویز کے پرویزی فیصلے کے بعد میں والد محترم اور دیگر بھائیوں اور وکلاء کے ساتھ جیل پہنچا اور غازی صاحب کے سیل میں گیا۔ وہ غسل کر کے نئے کپڑے پہن چکے تھے، جو چند دن پہلے چھوٹی عید کے موقعے پر میں ان کے لیے لے گیا تھا۔ غازی صاحب وہی کپڑے پہنے ہوئے تھے، بالوں میں تیل اور آنکھوں میں سرمہ لگا کر وہ ایک دولہے کی طرح سجے بیٹھے تھے۔ ہم سے خفگی کا اظہار کیا کہ ہم خالی ہاتھ کیوں آئے ہیں۔ ہمارے پوچھنے پر کہنے لگے آپ کو پتہ نہیں جج نے مجھے دو بار سزائے موت کا حکم سنایا ہے۔ حالانکہ غازی علم دین شہیدؒ کو ناموس رسالت پر قربان ہونے کے لیے ایک مرتبہ شہید کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ، اللہ رب العزت نے مجھے دو مرتبہ شہادت کے مرتبے سے سرفراز فرمایا ہے۔ آپ کو تو یہاں بانٹنے کے لیے مٹھائیوں کے ساتھ آنا چاہیے تھا۔ ٹرائل کورٹ سے سزائے موت کا فیصلہ سننے کے بعد غازی صاحب کے چہرے کی رنگت ہی کچھ اور ہو گئی تھی، ایک عالم شوق تھا جسے وہ چھپا نہیں پا رہے تھے۔ ہم واپسی کے لیے اٹھے تو غازی صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے علاحدگی میں لے گئے اور انتہائی بے تابی کے ساتھ پوچھا "دل پذیر بھائی! جج نے سزائے موت کا جو فیصلہ سنایا ہے، کیا اس پر شام تک عمل ہو جائے گا، دیر تو نہیں لگائیں گے؟" یہ سن کر میرا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ اس سے پہلے صرف کتابوں میں ہی پڑھا تھا کہ رونگٹے بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ آج میرے پاؤں کے ناخنوں سے سر کے بالوں تک رونگٹے کھڑے ہوئے، تو میں نے یہ جانا کہ رونگٹے کیسے کھڑے ہوتے ہیں۔ میرا دل اور دماغ سن ہو چکا تھا اور بات کرنے کی، جب کہ غازی صاحب خوشی اور مسرت سے ایسے مسرور وشادمان تھے کہ اس سے پہلے کبھی ان کا یہ روپ دیکھا ہی نہ تھا۔

یہ یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء کی بات ہے۔ جج پرویز کے فیصلے نے پوری امت کو سوگ میں مبتلا کر دیا تھا۔ یکم سے پانچ اکتوبر تک ملک بھر میں احتجاج جاری رہا۔ علماء اکرام نے



سات اکتوبر کو ملک بھر میں ہڑتال کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں ایک ملک گیر ہڑتال ہوئی۔ کاروباری زندگی موقوف ہو گئی، سڑکوں پر ٹریفک رک گئی اور بستی بستی اس عاشق رسول ﷺ کے ساتھ اظہار محبت کیا گیا۔ اس کے بعد علماء نے اس فیصلے کو خلاف شریعت قرار دیا۔ مفتی محمد خان قادری صاحب نے جنوری ۲۰۱۲ء کو ایک فتویٰ جاری کیا جس میں سلمان تاثیر کو توہین رسالت کا مرتکب قرار دیتے ہوئے مرتد قرار دیا۔ متعدد دوسرے علماء نے اس فتوے کی تصدیق کی اور فیصلہ دیا کہ ایک مرتد اور ملعون کو قتل کرنے پر غازی ممتاز قادری کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس فتوے کی تصدیق کرنے والوں میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی شاہ عبید، تنظیم اسلامی کے حافظ عاکف سعید، مفتی زاہد الراشدی اور جامعہ منصورہ کے مولانا عبدالمالک شامل تھے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں پاکستانی اور بیرون ملک کے علماء، فقہاء اور مفتیان عظام نے سلمان تاثیر کے قتل کو مباح قرار دیا اور ممتاز قادری کی سزا کو خلاف اسلام ٹھہرایا۔

ٹرائل کورٹ کے ظالمانہ فیصلے کے بعد سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ خواجہ محمد شریف صاحب سابق جسٹس نذیر صاحب، چودہری غلام مصطفیٰ غازی صاحب کے پاس گئے اور کہا، ہم ہائی کورٹ میں اپیل کرنا چاہتے ہیں۔ غازی صاحب نے وکلاء سے درخواست کی کہ وہ کوئی اپیل نہ کریں۔ ہم ملنے گئے، تو مجھے بھی کہا، آپ جانتے ہیں کہ میں جلد سے جلد اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے میری منزل پر پہنچنے سے مت روکیں، جبکہ ہمارے سمیت کروڑوں مسلمان غازی صاحب کو جیل سے باہر دیکھنا چاہتے تھے؛ چنانچہ ہم کئی علماء سے ایک درخواست لکھوا کر غازی صاحب کے پاس لے گئے اور ان سے کہا: "علماء سزائے موت کے فیصلے کے خلاف اپیل کرنا چاہتے ہیں۔" غازی صاحب سخت پریشان ہوئے، مگر علماء کے احترام میں سر جھکا دیا۔ انہوں نے کہا "میں علماء کے حکم سے انکار نہیں کر سکتا۔ میں عالم دین نہیں، اس گستاخ تاثیر کو بھی میں نے علماء کے حکم اور فتاویٰ پر عمل کرتے ہوئے مارا ہے۔ تاہم میری شرط یہ ہے کہ یہ اپیل میری طرف سے نہیں ہوگی، علماء اور وکلاء کی طرف سے ہوگی۔" اسلام آباد ہائی کورٹ میں اپیل کے تین چار ماہ بعد کیس کی سماعت شروع ہوئی۔ سبھی وکلاء کو قوی امید تھی کہ ہائی کورٹ ٹرائل کورٹ والی غلطی نہیں دہرائے گی۔ اس لیے کہ ٹرائل کورٹ نے بغیر دلائل سنے ایک غیر شرعی فیصلہ صادر کیا تھا۔ ہائی کورٹ دونوں طرف کے دلائل کو سن کر فیصلہ کرے گی، جو یقیناً ہمارے حق میں آئے گا۔ مگر انتہائی دکھ اور کرب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہائی کورٹ کے جج بھی دوران سماعت ایسے ریمارکس دیتے رہے جن سے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ ان کی سوچ کیا ہے۔ بعد میں ہائی کورٹ نے بھی انصاف کا قتل کیا۔ ٹرائل کورٹ کی سزا باقی رکھی گئی، البتہ دہشت گردی کی دفعہ ختم کر دی گئی۔

ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد اب سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا مرحلہ تھا۔ غازی صاحب ہائی کورٹ میں بھی اپیل کرنے سے انکار کر چکے تھے، جب سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کی اجازت مانگنے گئے، تو انہوں نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔ دوسری مرتبہ وکلاء نے اپنا سوال دہرایا، تو غازی صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے۔ اس پر بھی وکلاء دل برداشتہ نہ ہوئے۔ وکلاء نے کہا چلیں ایک دو دن بعد رابطہ کریں گے۔ ہم نے پھر علمائے کرام سے رابطہ کیا کہ غازی صاحب کو راضی کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ علمائے کرام نے ایک تحریر کی صورت میں مطالبہ کیا کہ اب یہ کیس غازی ممتاز قادری صاحب کا نہیں، تحفظ ناموس رسالت اور ۲۹۵۔ سی کا ہے اور ہمیں حرمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخری سانس تک



کرنا ہوگا۔ علماء نے غازی صاحب کو دلائل سے قائل کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم نے یہ اپیل داخل نہ کی تو یہود ونصاریٰ کے ایجنٹوں کو دفعہ ۲۹۵۔سی ختم کرنے کا بہانہ مل جائے گا۔ یہ دلائل سن کر غازی صاحب نے کہا اپیل بہر حال میری طرف سے نہیں ہو گی۔ اگر علماء اور وکلاء مناسب سمجھتے ہیں کہ ۲۹۵۔سی کے تحفظ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے تو وہ ایسا کر لیں۔ اپیل داخل کر دی گئی، تو اب ہمیں قوی امید تھی کہ عدالت عظمیٰ سے انصاف ہو گا۔ عام خیال یہ تھا کہ سپریم کورٹ کم از کم چھ ماہ یا سال بعد سماعت کی تاریخ رکھے گی۔ اس لیے کہ اس سے پہلے اپیل کے تیس ہزار کیس سماعت کے منتظر تھے۔ اگر باری باری ایک کیس ایک دن بعد بھی سنا جاتا تو ہماری باری تیس ہزار دن بعد آنی تھی، مگر انتہائی عجیب بات ہوئی کہ چار ہی روز بعد سپریم کورٹ نے نوٹس بھیج دیا کہ آپ کا کیس سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا ہے۔ اس لیے آپ وکلاء کے ساتھ آ جائیں۔ یقیناً سپریم کورٹ ہائی پروفائل کیس پہلے سن سکتی ہے، مگر کیا آسیہ کا کیس ہائی پروفائل نہیں تھا۔ وہ عورت جس نے امت مسلمہ کے دل مجروح کیے۔ یہ فائل تو غازی صاحب کے کیس سے ایک برس پہلے سپریم کورٹ میں موجود تھی۔ اس کے بعد غازی ممتاز قادری کیس چلایا جاتا، لیکن آسیہ اور دوسرے سزا یافتہ مجرموں کے کیس پیچھے رکھ کر پانچ اپریل ۲۰۱۵ء کو غازی ممتاز قادری کیس کی سماعت کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ اس طرح ہمارے وکلاء کو تیاری کا مناسب وقت بھی نہ دیا گیا۔ اس کے بعد صرف دو دن کے اندر اندر یعنی سات اپریل ۲۰۱۵ء کو جلد از جلد اس کیس کا فیصلہ بھی سنا دیا گیا۔ وہی فیصلہ برقرار رکھا گیا جو ٹرائل کورٹ کے جج پرویز نے دیا تھا۔ بلکہ سپریم کورٹ نے نواز حکومت کے وزیر داخلہ کی درخواست پر یہ فیصلہ بھی دے دیا کہ ہائی کورٹ نے دہشت گردی کی جو دفعہ ختم کی تھی وہ بحال کی جاتی ہے۔

اس طرح نواز حکومت اور ان کے وزیر داخلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عاشق زار کو دہشت گرد قرار دے کر خوشی محسوس کی۔

اس مرحلے پر کہ جب سپریم کورٹ سے بھی ٹرائل کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی گئی۔ اچانک میڈیا پر شور مچایا گیا کہ غازی ممتاز قادری نے صدر پاکستان سے رحم کی اپیل کی ہے اور کہا ہے کہ میں گھر کا واحد کفیل ہوں مجھے معاف کر دیا جائے۔ ہم نے اس جھوٹ کی بھرپور مذمت کی اور عین اس وقت جب اسکرین پر یہ جھوٹا پروپیگنڈا جاری تھا، میں نے الیکٹرانک میڈیا بالخصوص جیو ٹی وی والوں سے کہا کہ میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں، آپ اپنی اسکرین پر جہاں ممتاز قادری نے صدر سے رحم کی اپیل کی جھوٹی خبر سنا رہے ہیں، وہاں پر اپیل کی تحریر کی تصویر بھی ٹی وی اسکرین پر دکھا دیں۔ اگر آپ ٹی وی اسکرین پر ایسی کوئی اپیل دکھا دیں گے تو میں دس کروڑ روپے ہرجانہ دینے کو تیار ہوں۔ مگر آپ یہ غلط اور جھوٹا الزام لگا کر عاشقان رسول ﷺ کے دلوں کو تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ کسی چینل نے میرا موقف کو سننے یا دکھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ بعد میں علمائے کرام اور وکلاء نے بھی بیانات جاری کیے کہ غازی ممتاز حسین قادری تو ہائی کورٹ میں بھی اپیل کرنے کو تیار نہیں تھے اور سپریم کورٹ میں بھی اپیل کرنے سے انکاری تھے، تو صدر سے رحم کی اپیل کیوں کریں گے۔ غازی صاحب نے اس موقعے پر صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا ''زندگی اللہ کی امانت ہے، صدر پاکستان یا وزیر اعظم کون ہوتے ہیں زندگی دینے والے۔'' اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ جیل میں کسی عاشق رسول ﷺ نے غازی صاحب کی ایک وڈیو بنا کر رکھی ہوئی تھی جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ میں نے صدر مملکت یا کسی اور سے کوئی اپیل نہیں کی۔ یہ وڈیو آج بھی موجود ہے۔ جس میں غازی صاحب کا اپنی زبان سے یہ اعلان کیا گیا ہے، مگر میڈیا کا کردار انتہائی شرم ناک اور جعلی رہا اور اس نے اپنے جھوٹ کی تردید کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

شہادت کی شب اور جیل انتظامیہ کا سفید جھوٹ

اتوار کی شام ہم جلد سو گئے کہ اگلا دن پیر کا تھا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے مجھے اڈیالہ جیل سے فون آیا کہ غازی صاحب کی طبیعت خراب ہے کہ آپ فوراً جیل پہنچیں۔ ہمیں یہ بات حیران کرتی تھی کہ ہم جمعرات کو ہی ان سے ملاقات کر کے آئے تھے اور غازی صاحب بالکل تندرست تھے۔ اگر بیماری کے آثار بھی ہوتے تو ہمیں پتہ چل جاتا۔ ابھی میں اٹھنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ دوبارہ فون آیا کہ آپ اہل خانہ کو بھی ساتھ لے کر آئیں اور جلدی آئیں، اس لیے کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ میں نے گھر والوں کو اطلاع دی۔ ابھی ہم تیاری کر ہی رہے تھے کہ ایک اور فون آ گیا، آپ گھر پر ہی رکیں ہم آپ کو لینے گاڑی بھیج رہے ہیں۔ ٹھیک دس منٹ بعد گاڑی ہمیں لینے آ گئی۔ جس طرح سے پے در پے فون کیے گئے، ان سے یہ سوچ خود بخود پیدا ہوئی کہ حکومت نے کوئی ظالمانہ فیصلہ نہ کر دیا ہو۔ چنانچہ بڑی جلد بازی میں والد صاحب، غازی صاحب کے بیٹے، اہلیہ اور تمام اہل خانہ کو اٹھایا اور ہم سب لوگ ساڑھے گیارہ بجے اڈیالہ جیل پہنچے۔ جہاں پر انہوں نے ہمیں ایک گھنٹے تک ایک کمرے میں بند رکھا۔ ہم نے دروازے پر لاتیں مار کر اور شور مچا کر احتجاج کیا کہ ہمیں یہاں قید کیوں کیا گیا ہے، اس پر مزید انتظار کرنے کے لیے کہا گیا اور آدھے گھنٹے تک مزید انتظار کرنے کے بعد دروازہ کھولا گیا اور ہمیں رہائی ملی۔ اس موقعے پر ہمیں بتایا گیا کہ اوپر سے آرڈر آ گیا ہے کہ غازی ممتاز حسین قادری صاحب کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔ چونکہ ان کی شہادت کا وقت قریب ہے، اس لیے آپ کو بلایا گیا ہے۔ ہم نے انتظامیہ سے احتجاج کیا اور کہا کہ ہمیں اتنی بری خبر سنائی جا رہی تھی تو اتنا سفید جھوٹ کیوں بولا گیا اور ہمارے گھرانے کی عورتوں اور بچوں سمیت سب کو ڈیڑھ گھنٹے سے بند کیوں رکھا گیا؟ اس کے جواب میں جیل کے کارندے بالکل خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور کمرہ تھا، جس کی کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد غازی صاحب کو ان سلاخوں کے پیچھے ہم سے ملنے کے لیے لایا گیا۔ انہیں دیکھ کر ہم سب رنجیدہ ہوئے۔ ہمیں ان سے جدا ہونے کا اتنا دکھ نہیں تھا، جتنا اس بات کا دکھ اور غصہ تھا کہ یہاں ڈاکوؤں اور ملک



توڑنے والوں کو دین بیچنے والوں کو اور غداروں کو تو اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا جاتا ہے، لیکن ایک عاشق رسول ﷺ، جس نے اسلام کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے لیے جان کی بازی لگا دی اور ناموس رسالت ﷺ پر قربان ہونے کا حق ادا کر دیا، اس کے اہل خانہ سے کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔

ہمارے دکھ اور غم کا مداوا غازی صاحب کی مسکراہٹ نے کر دیا۔ وہ ہمیں اپنی طرف موڑتے ہوئے کہہ رہے تھے، آپ مت پریشان ہوں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں میں کہاں جا رہا ہوں۔ کیا آپ اس لیے غم زدہ ہیں کہ میں موت سے ہم کنار ہو رہا ہوں، ارے میں تو حیات نو پانے جا رہا ہوں۔ میں اپنے اللہ اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ آپ سب کو تو خوش ہونا چاہیے۔ اگر آپ پریشان ہوں گے تو میں آپ سے ناراض ہوں گا۔ اس ملاقات کے دوران بھی غازی صاحب اپنی پسندیدہ نعتیں پڑھتے رہے، اپنے بزرگوں اور اساتذہ کے نام لے لے کر دعائیں کرتے رہے اور کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک عاشق رسول ﷺ کو جانتے ہیں۔ جس کسی نے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے لیے اور میری رہائی کے لیے کوششیں کی ہیں وہ سب اللہ کی رحمت و نعمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ پھر کہا، میرا شکریہ ان سب کو پہنچا دیجیے گا جس جس نے مجھ سے اور میرے مشن سے محبت کی اور اس میں اپنا حصہ ڈالا۔ میں ان سب کو سلام پیش کرتا ہوں اور ان سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری ہو گی تو ان سب کا سلام عقیدت پیش کروں گا اور ان کی شفاعت کی استدعا بھی کروں گا۔ غازی صاحب کی یہ باتیں سن کر بہت حوصلہ ملا اور ہمارے دل مضبوط ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی اہلیہ، مجھے اور والد صاحب کو تاکید کی کہ میرے بیٹے کو باعمل عالم بنایا جائے اور میری خواہش ہے کہ یہ اپنی جان ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے وقف رکھے۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنے گلے سے لگایا اور اس سے کہا ''محمد علی رضا قادری! تم بابا کے نقش قدم پر چلو گے؟'' تو محمد علی نے کہا ''بابا! ضرور آپ کے نقش قدم پر چلوں گا۔'' پھر اس سے کہا ''محمد علی قادری! تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔'' اس نے کہا ''ہاں بابا! میں نے وعدہ کیا ہے۔'' معصوم بچے نے کہا ''بابا! آپ میرے ساتھ گھر چلیں۔'' اس کے جواب میں غازی صاحب نے فرمایا ''ضرور... ان شاء اللہ، فجر کی نماز کے وقت میں آپ کے پاس آجاؤں گا۔'' ان کی یہ بات سن کر ہم سب رنجیدہ ہوئے کیوں کہ اسی فجر سے پہلے ان کی پھانسی کا وقت مقرر تھا۔ انہیں گھر تو یقیناً پہنچنا تھا، لیکن پانچ برس کا بچہ کیا جانے کہ جب وہ گھر پہنچیں گے، تو کہیں اور پہنچ چکے ہوں گے اور ان کی باہم بات بھی نہیں ہو سکے گی۔ تاہم محمد علی اپنے والد کے وعدے پر خوش تھا اور پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اپنی تربت کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اتفاق رائے سے بنائی جائے اور یہ بھی کہا، مزار کے بجائے اس کے قریب مسجد اور ایک مستند عملی ادارہ بنایا جائے، تا کہ وہاں پڑھنے والے دینی اور دنیوی علوم سے آراستہ ہوں۔ وہ ایک بہترین معاشرے کے بہترین فرد ہونے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق بھی ہوں۔ بہت سی اور باتیں بھی کیں جن کو میں کسی فرصت کے وقت بیان کروں گا۔

شہادت سے تقریباً ایک ہفتے بعد میں اڈیالہ جیل گیا تا کہ غازی صاحب کا سامان لے کر آؤں۔ اس میں چند برتن، کپڑے اور ضروریات کی چیزیں تھیں۔ کمرے میں جانے سے پہلے میری ملاقات جیل انتظامیہ کے کچھ افسروں سے ہوئی۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ سب نے بڑی محبت اور چاہت سے میرا استقبال کیا جو غازی صاحب کی شہادت کے وقت جیل میں موجود تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا، جب آپ ملاقات کے بعد رخصت ہو گئے تو پورا وقت غازی صاحب کے چہرے پر ایک مسکراہٹ طاری رہی۔ ان اہل کاروں کا کہنا تھا، یہ ہمارا پہلا تجربہ تھا، اس لیے کہ جس شخص کو تختہ دار پر چڑھایا جاتا ہے، اس کی آخری رات بہت مشکل گزرتی ہے۔ ان میں سے اکثر تو اپنے پاؤں پر چل کر نہیں جا سکتے۔ انہیں اٹھا کر تختہ دار پر لے جانا پڑتا ہے، مگر غازی ممتاز حسین قادری صاحب نے آخری وقت تک ہمیں حیران و پریشان رکھا۔ جب متعلقہ اہل کار انہیں تختہ دار کی جانب لے جا رہے تھے، تو غازی صاحب جیل افسران سے تین چار قدم آگے چل رہے تھے۔ تختہ دار کے قریب پہنچے تو ایک دو لوگوں نے غازی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں تختہ دار پر چڑھانے کی کوشش کی، اس پر غازی صاحب نے انہیں روک دیا اور کہا میں خود چل کر جا سکتا ہوں۔ تختہ دار پر کھڑے ہو کر غازی صاحب نے رسے کو چوما اور کہا، یہ رسہ مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی منزل سر کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے بعد وہ پولیس افسروں اور جیل انتظامیہ کی طرف متوجہ ہوئے ''کس کس کو مدینے جانا ہے، میں تو چلا مدینے''۔ ایک بار کہا تو کسی کا جواب نہ آیا، دوبارہ کہا تو سب لوگ بہت رنجیدہ تھے اور جیل انتظامیہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک پھانسی کے مجرم کی خاطر رو رہے تھے۔ جیل انتظامیہ کے نوے فی صد لوگوں کو بالکل آخر میں بتایا گیا تھا۔

ادب سے اس نعش کو اتارو

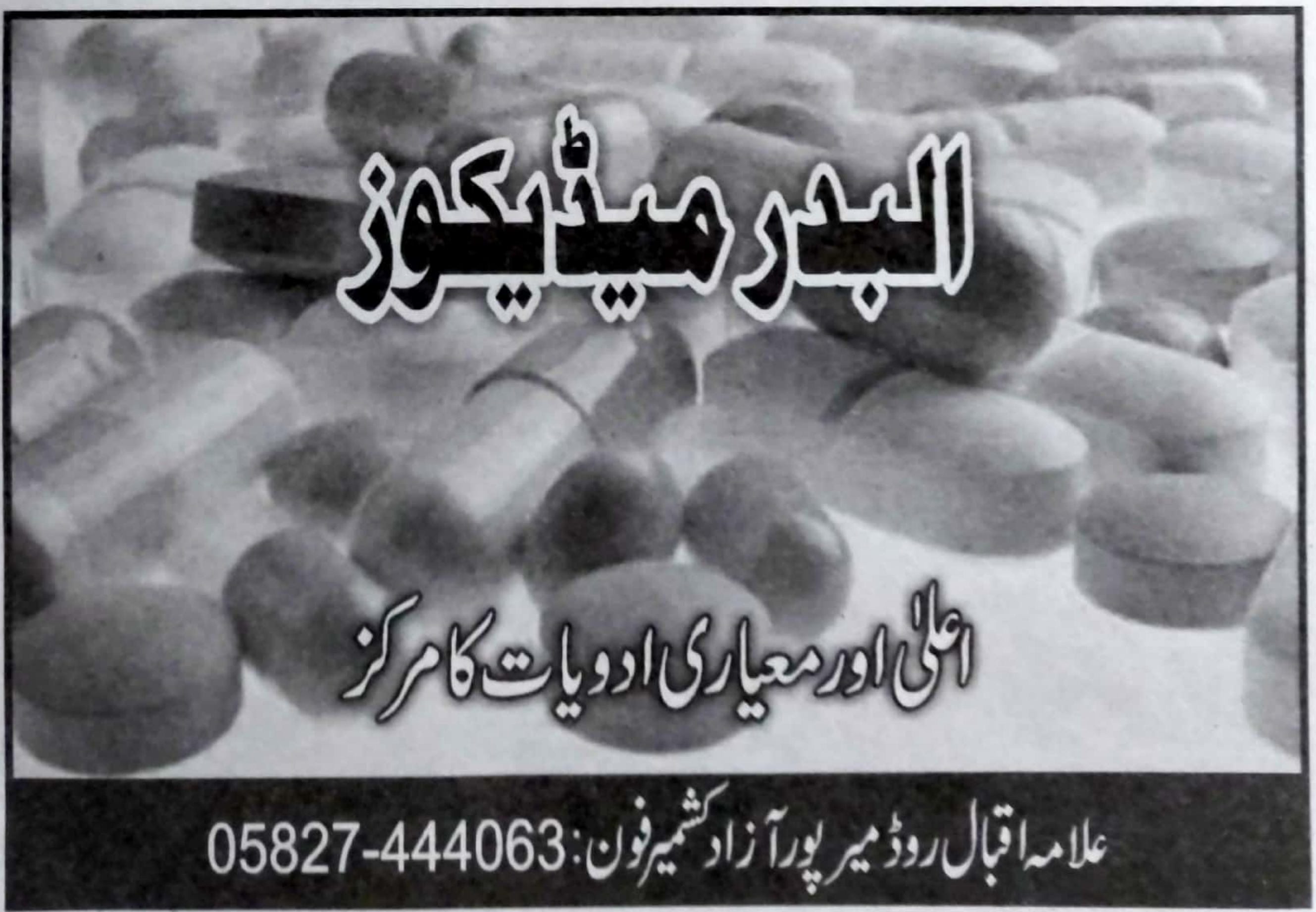
سحر دم غازی صاحب نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میرے پاس بہت سے ایسے مستند شواہد ہیں کہ حکومت وقت نے ممتاز حسین قادریؒ کی شہادت کے لیے کیسے کیسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا۔ اسے ملک بھر کے قانون دانوں کی طرف سے عدالتی قتل اور ناحق قتل کہا گیا۔ اس طرح ایک پانچ سالہ بچے اور غازی صاحب کے اہل و عیال، بلکہ امت مسلمہ کو گہرا زخم دیا گیا۔ ہمارا دکھ کبھی نہیں مٹے گا، مگر میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کروڑوں جاں نثار بھی اپنے مجرموں کو بھولیں گے نہ معاف کریں گے۔ یہ کس قدر شرم ناک بات ہے کہ یہودی لابی، امریکی اور یورپی یونین کی چند این جی اوز نے فلاح و بہبود کے نام پر جو فحاشی اور بے حیائی کا بازار گرم کیا ہوا ہے، انہیں خوش کرنے کے لیے ان کی تجویز کے مطابق ہماری عدالتوں اور سرکاری ایوانوں کو استعمال کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ ہے کہ

وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو دنیا کی زندگی میں کبھی عزت نہیں دیتا اور آخرت کا عذاب تو یقیناً رسوا کن ہوگا۔ صبح ساڑھے چار بجے کے قریب جیل انتظامیہ نے بڑے ادب و احترام سے شہید کا لاشہ میرے سپرد کیا۔ میں ایمبولینس میں بیٹھا تھا اور ایمبولینس ہمارے گھر کی طرف جارہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ غازی صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی ہے۔ ان کا جسم اتنا گرم تھا کہ جب میں ان کی مٹھی دبا کر بند کررہا تھا، تو وہ خود بخود کھل جاتی تھی۔ ہم گھر پہنچے تو فجر کی اذانیں ہورہی تھی۔ ہم جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، ننھا محمد علی قادری کہیں سے دوڑتا ہوا آ گیا۔ اسے خوشی تھی کہ اس کے بابا وعدے کے مطابق گھر آ گئے ہیں، پھر وہ اپنی والدہ سے پوچھنے لگا کہ بابا بولتے کیوں نہیں۔ اس وقت ہمارے پاس معصوم محمد علی کی معصوم بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ ہم بار بار بات بدلنے کی کوشش کرتے رہے اور وہ بار بار پوچھتا رہا: ”بابا بولتے کیوں نہیں۔“

الحمدللہ غازی صاحب کی وصیت کے مطابق اور افراد خاندان کی مشاورت سے آبائی علاقے بھارا کہو میں سملی ڈیم روڈ پر واقع گاؤں اٹھال شریف کے پرفضا مقام پر غازی صاحب کی تدفین ہوئی۔ راولپنڈی سے مری جاتے ہوئے بھارا کہو چوک سے چار کلومیٹر مشرق کی جانب، یہ جگہ واقع ہے۔ اس چوک کا نام ممتاز قادری شہید چوک رکھا گیا ہے۔ نماز جنازہ کے لیے دوسرے دن بعد دوپہر کا وقت طے کیا گیا۔ افسوس اس ملک کے میڈیا نے معمول کے مطابق یہود و نصاریٰ کی خوشی کے لیے اس عظیم الشان اجتماع کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ وہ ذرائع ابلاغ جو رائے ونڈ محل میں نواز شریف کے مور کی موت کی خبر بریکنگ نیوز کے طور پر دیتے ہیں اور آصفہ بھٹو کی بلیوں کی بیماری ان کی ہیڈ لائن بنتی ہے، میڈیا چینلز نے اس دن پاکستان کو دنیا بھر میں بدنام کرنے والی ایک عورت شرمین عبید کی فلم کی خبروں کو اہمیت دی گئی۔ کیا ان کو غازی ملک ممتاز حسین قادری کے جنازے میں لاکھوں افراد کی شرکت نہ دکھائی دی۔ اس موقعے پر ۹۲ نیوز کی بہادری کا دل سے اعتراف کرنا چاہیے، جنہوں نے غازی صاحب کے جنازے کا پروگرام نشر کر کے پانچ کروڑ روپے جرمانہ برداشت کیا۔ لیاقت باغ میں نماز ظہر کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امام احمدؒ بن حنبل نے فرمایا تھا ”ہمارے بعد ہمارے جنازے فیصلہ کریں گے کہ حق پر کون تھا“ غازی ممتاز حسین قادری کے جنازے نے برحق ثابت کیا۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا، لیاقت باغ میں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ انسانوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو اپنے دامن میں سما سکے۔ مری روڈ پر سنٹرل ہسپتال سے صدر تک لوگ ہی لوگ تھے۔ میلوں لمبی صفیں تھیں جو جنازے میں شریک تھیں۔

اس اجتماع کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ نظم و ضبط اور امن و امان کے حوالے سے بے مثال اور قابل تعریف تھا۔ یہ تفصیلات اخبارات میں آ چکی ہیں کہ نماز جنازہ میں لاکھوں کا ہجوم غم و غصے کے باوجود انتہائی پرامن رہا۔ غازی شہید کے احترام میں لوگوں نے کسی درخت کا ایک پتہ بھی نہ ٹوٹنے دیا، اس لیے کہ ان میں ایک بھی باغی نہ تھا، یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ ان کی اکثریت پیدل چل رہی تھی۔ یہ پہلے لیاقت باغ تک سارے راستے پر درود و وظائف پڑھتے گئے، پھر لیاقت باغ سے اٹھال تک ۳۰ کلومیٹر کے راستے پر شہید کی نعش لے کر چلے۔ جس ادب سے گئے تھے، اسی احترام سے واپس پہنچے۔ اس محبت... اس احترام اور... اس دردمندی کی مثال کوئی پیش کرسکتا ہے؟

ادب سے اس نعش کو اتارو!
یہ نعش زندہ شہید کی ہے
شہید!۔۔ جس نے اذیتوں سے مئے تمنا کشید کی ہے
شہید!۔۔ جس نے بدن کے بدلے حیات دائم خرید کی ہے
یہ پاک میت ہے ایک سورج! ضیا یہ صبحِ امید کی ہے





(۱۹۱۲ء تا ۱۹۳۵ء)



غازی عبدالقیوم خان شہید

توہین رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ علیہ والسلام کی روایت بھی مغرب میں صدیوں سے موجود ہے۔ مغربی مستشرقین نے پیغبر اسلام اور قرآن مجید پر جھوٹے اہانت انگیز اور ناروا الزامات لگائے۔ مسلم دانش وروں، علمائے کرام اور مفکرین نے ہمیشہ شائستگی کے ساتھ علمی سطح پر دلیل اور محبت کے ساتھ ان کے جوابات دیے ہیں۔ برعظیم ہندوستان پر مسلمان حکمرانوں نے آٹھ سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی، اس پورے عرصے میں ہندوؤں اور دیگر اقوام کو اہانت رسول اور اسلامی شعائر کی توہین کی جرات نہیں ہوئی۔ قرآن اور الہامی کتابیں شاہد ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے رسولوں سے انتہائی شرم ناک سلوک روا رکھا، ان کو ایذائیں دیں، قتل اور مصلوب کیا۔ مغلیہ دور میں متھرا کے راجے کا معروف واقعہ ہے جسے مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں اس وقت کے قاضی القضاۃ (Chief Justice) نے توہین رسالت پر سزائے موت سنائی تھی۔ مغل شہنشاہ نے راجہ کی زندگی بچانے کی سر توڑ کوششیں کیں مگر عدلیہ نہیں مانی اور راجہ کو سزائے موت دے دی گئی۔ مغلیہ دور میں اس اہم واقعے کے سوا اور کوئی اہم قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا جس میں شاتم رسولؐ نے دریدہ دہنی کی اور اس کو قرار واقعی سزا ملی ہو۔ البتہ برطانوی ہند میں انگریزوں کے سامراجی دور میں انگریز حکومت اور ان کے پادریوں کی شہ پر ہندوؤں نے مسلمان دشمنی کے سبب توہین رسالت اور شعائر اسلامی کی تضحیک و تحقیر کو اپنا شعار بنالیا جس کے سبب مسلمانان ہند میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور وہ سراپا احتجاج بنے رہے۔ سامراجی حکمرانوں نے ان دریدہ دہنوں کی نہ تو سرکوبی کی اور نہ ان کو قرار واقعی سزائیں دیں، لیکن عاشقان رسول ﷺ نے ہی حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہوکر جوان کے ایمان کا لازمی جزو ہے، ان بدبختوں کو واصل جہنم کیا اور منصب شہادت پر فائز ہوگئے۔ اپنے آقا

محمود عالم صدیقی

و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اور دین پر جان قربان کردینے والے اسلام کے ان ہی بہادر سپوتوں کے دم قدم سے شاتمین رسول اور اسلام دشمنوں پر موت کا لرزہ طاری ہوا اور اپنی جان کی حفاظت کے لیے وہ اور ان کے پشت پناہ عیسائی اور یہودی اور ہنود حکومتی اور انفرادی سطح پر غیر معمولی اقدامات پر مجبور ہوتے رہے یا تحفظ کے کثیر اخراجات کے باوجود ان میں کئی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں ملعون سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، ٹیری جونز اور چارلی ایبڈو اور اس کے حواری اس کی مثالیں ہیں۔

شہدائے ناموس رسالت کی ایک رنگا رنگ دھنک ہے، مردانِ حق آشنا صدیوں سے اپنے پیارے نبی ﷺ کی شان و عظمت پر نثار ہوتے رہے ہیں۔ ان ہی شہداء کے قافلے کے ایک رکن غازی عبدالقیوم خان بھی تھے۔ غازی صاحب ۱۹۱۲ء میں ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور کے گاؤں غازی میں ایک غیور پٹھان عبداللہ خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے ان کے اندر حصول علم کا شوق بہت شدید تھا، مگر عصری تعلیم سے زیادہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا، چھٹی جماعت پاس کرنے کے بعد گاؤں کے علمائے کرام سے دینی تعلیم حاصل کرنے لگے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور اکثر قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے تھے، آپ کی چھ بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ بہنیں اچھے گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں، والد ۱۹۳۲ء میں انتقال کرگئے۔ ۱۹۳۴ء میں جب ان کی عمر محض ۲۲ سال تھی ان کی شادی کردی گئی۔ شادی کے چند ماہ بعد ہی وہ کراچی آگئے۔ یہاں اُن کے چچا رحمت خان گھوڑا گاڑی چلاتے تھے۔ کراچی جاکر غازی صاحب نے چچا کے گھر ہی قیام کیا اور وکٹوریہ گاڑی چلانے لگے۔ کراچی میں بھی مذہبی رجحانات غالب رہے، کام سے جو وقت بچتا مسجد میں ہی گزرتا۔ ایک دن مسجد میں ہی آریہ سماج کے حیدرآباد (سندھ) کے سیکرٹری نتھو رام کے بارے میں ایک اشتہار پڑھا، اس اشتہار میں گستاخ رسول نتھو رام کے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی توہین کرنے کی تفصیلات درج تھیں۔ اس زمانے میں صوبہ سندھ بمبئی میں شامل تھا۔ یہ ہندوستان میں برطانوی سامراجی دور تھا اور اسلام دشمن ہندو لیڈر شردھانند کی شدھی تحریک زور وشور سے جاری تھی، کئی بدزبان اور گستاخ ہندو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملے کررہے تھے۔ ان ہی دنوں آریہ سماج حیدرآباد سندھ کے ہندو سیکریٹری نتھو رام نے "ہسٹری آف اسلام" کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں انتہائی دریدہ دہنی اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ یہ کتابچہ شردھانند کے پمفلٹ اور اس جیسی دوسری دل آزار کتابوں سے ماخوذ مواد پر مشتمل تھا اور اس میں ناموس رسالت ﷺ پر ویسے ہی رکیک حملے کے گئے تھے جس طرح گزشتہ ایک عشرے سے آریہ سماج کے پیروکار کررہے تھے۔

بمبئی میں ہندوؤں کی اکثریت تھی جبکہ سندھ میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور وہ اپنے مذہب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نازیبا حملے کو برداشت کرنے کے روادار نہیں تھے۔ جیسے ہی یہ ناپاک کتابچہ بازار میں آیا تو سندھ کے ممتاز مسلمان رہنماؤں عبدالمجید سندھی، حاتم علوی اور دیگر نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ نتھو رام کے خلاف استغاثہ دائر کیا گیا۔ حیدرآباد کی عدالت نے کتابچہ ضبط کرلیا اور ملزم کو ایک سال قید سخت اور جرمانے کی سزا سنائی۔ عدل و انصاف کی اس نرمی نے گستاخ رسول نتھو رام کا حوصلہ بڑھا دیا اور اس نے اوپر والی عدالت میں ماتحت عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی۔ مذکورہ عدالت نے نتھو رام کی ضمانت منظور کرلی، جس سے مسلمانوں کے جذبات مزید مجروح ہوئے اور انہیں انگریز ہندو ملی بھگت کا بہت افسوس

ہوا۔ سارے صوبے بلکہ پورے برصغیر کے مسلمان سخت مضطرب اور فکرمند تھے، مگر کسی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ توہین رسالت ﷺ کے اس فتنے کا سدباب آخر کس طرح کیا جائے؟ لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سربکف.... گستاخ رسولؐ کے حالات و واقعات معلوم ہوتے ہی غازی عبدالقیوم کا خون کھولنے لگا اور غیرت ایمانی جوش میں آ گئی۔ وہ بازار گئے، چاقو خریدا اور اس عدالت میں جا پہنچے جہاں گستاخ رسولؐ نتھو رام کی پیشی تھی۔ وہ عدالت میں بیٹھ کر دریدہ دہن نتھو رام کا انتظار کرنے لگے۔

یہ دسمبر ۱۹۳۴ء کی کوئی تاریخ تھی، کراچی کی اس عدالت میں دو انگریز ججوں پر مشتمل بینچ میں نتھو رام کی اپیل سنی جا رہی تھی۔ عدالت کا کمرہ وکیلوں اور شہریوں سے بھرا ہوا تھا۔ غازی عبدالقیوم بھی نہایت اطمینان کے ساتھ دوسرے تماشائیوں کے ساتھ وکلاء کی قطار کے پیچھے نتھو رام کے برابر والی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عین اس وقت کہ جب مقدمے کی سماعت زوروں پر تھی، وہ بالکل اچانک اٹھے اور اس نابکار نتھو رام پر جھپٹے۔ غازی عبدالقیوم نے اپنا تیز دھار چاقو لے کر اتنی تیزی سے نتھو رام پر حملہ کیا کہ اسے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔ غازی نے گستاخ رسول کی گردن پر دو ایسے بھرپور وار کیے کہ وہ زخم کھا کر زور سے چیخا اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے بعد غازی عبدالقیوم نے پولیس کی گرفت سے بچنے اور فرار ہونے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی۔ گستاخ رسول کو ٹھکانے لگانے کے بعد غازی عبدالقیوم نے نکل بھاگنے کے بجائے ہنسی خوشی خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ انگریز جج نے اپنی نشست سے اتر کر غازی عبدالقیوم کے قریب آیا اور ان سے پوچھا "تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟" غازی عبدالقیوم نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جج صاحب! آپ کے پیچھے یہ تصویر آپ کے بادشاہ کی ہے، آپ اپنے بادشاہ کے وفادار ہو، اگر کوئی بادشاہ کی توہین کرے تو آپ اس کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟ اس نتھو رام ہندو نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور شہنشاہ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی، میری غیرت ایمانی اسے برداشت نہیں کر سکتی، اس لیے میں نے اسے واصل جہنم کر دیا ہے۔ اس کی یہی سزا تھی۔" پھر بڑے اطمینان کے ساتھ وہ اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔

غازی عبدالقیوم شہید نے جس وقت شاتم رسول نتھو رام کو دل آزار کتابچے "ہسٹری آف اسلام" لکھنے کے جرم میں عین برسر عدالت ججوں اور سب حاضرین کے سامنے قتل کیا، تو ایک معروف وکیل سید محمود اسلم بار ایٹ لا بھی عدالت کے احاطے میں موجود تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت دن کے پونے بارہ بجے تھے، ٹھیک بارہ بجے نتھو رام کی اپیل کی سماعت شروع ہونے والی تھی، یہ اپیل اس نے اپنی سزا اور جرمانے کے خلاف کر رکھی تھی۔ سید محمود اسلم کا کہنا تھا کہ ۱۲ بجنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے، میں عدالت کے برآمدے میں اپنے ایک دوست سے کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ کمرۂ عدالت سے تیز تیز باتوں اور چیخ پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ نتھو رام کی آنتیں نکلی پڑی ہیں اور وہ زمین پر پڑا موت و زندگی کی کشمکش میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ مجھے قریب ہی ایک نوجوان خون آلود خنجر لیے کھڑا نظر آیا۔ اسی اثنا میں ایک سب انسپکٹر ریوالور تان کر کمرۂ عدالت میں داخل ہوا۔ غازی عبدالقیوم چھری نیچے پھینک کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جوش بھری آواز میں بولے "انسپکٹر صاحب! ڈریے نہیں۔ ریوالور رکھ دیں، مجھے جو کچھ کرنا تھا الحمدللہ کر چکا ہوں۔" انسپکٹر نے ریوالور والا ہاتھ نیچے کر لیا اور آگے بڑھ کر غازی عبدالقیوم کی کلائی پکڑ لی۔ ایک کانسٹیبل نے فوراً ہی ہتھکڑی لگا دی۔ سید محمود اسلم ایڈووکیٹ کا کہنا ہے کہ میرا دل جو نتھو رام کی غلیظ کتاب پڑھ کر مجروح ہوا تھا، اس منظر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گیا کہ غازی نے اپنا فرض ادا کر دیا؛ چنانچہ میں نے بھی اپنا فرض ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے غازی کے چچا کو تلاش کیا اور مقدمے کی مفت پیروی کرنے کی پیشکش کی۔ انہوں نے شکریے کے ساتھ میری پیشکش قبول کر لی۔ دوسرے روز میں غازی کے قانونی مشیر کی حیثیت سے ان سے ملاقات کرنے جیل گیا۔ جب میں نے غازی عبدالقیوم کو بتایا کہ میں ان کا مقدمہ لڑوں گا، تو وہ فوراً با آواز بلند کہنے لگے، "وکیل صاحب آپ جو جی چاہیں کریں لیکن خدارا مجھ سے انکار قتل نہ کرائیں، اس سے میرے جذبہ جہاد کو ٹھیس پہنچے گی۔ سید محمود اسلم ایڈووکیٹ نے غازی عبدالقیوم کو تسلی دی کہ وہ بے شک قتل کا انکار نہ کریں۔ میں اس اقبال کے ذریعے ہی ان شاء اللہ آپ کو پھانسی سے اتارلوں گا، لیکن غازی عبدالقیوم نے یہ سن کر بھی کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔

میں نے جب گواہان صفائی کی فہرست پیش کی تو اسے پڑھ کر مجسٹریٹ بہادر چونک اٹھے۔ میں نے دوسرے گواہوں کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں، خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ کے علاوہ دیوبند اور فرنگی محل کے متعدد مقتدر علماء کو طلب کیا تھا۔ عدالت نے اعتراض کیا، یہ گواہ مقدمے سے غیر متعلق ہیں، اس لیے نہیں بلائے جا سکتے۔ اس پر میں نے کہا کہ جس جذبے کے تحت استغاثہ عبدالقیوم کو قاتل قرار دیتا ہے، اس جذبے کی نفسیاتی ترجمانی یہی حضرات کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے، میری یہ دلیل جج کے فہم سے بالاتر تھی؛ چنانچہ اس نے میری درخواست خارج کر دی۔ میں نے فوراً جوڈیشل کمشنری کراچی میں اپیل دائر کر دی جس کے دو جج او سالون اور فیرس وقوعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ اپیل دائر کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے ان ججوں کے اختیار سماعت پر قانونی اعتراض کر دیا۔ کراچی جوڈیشری میں اس وقت چار جج تھے۔ دو چھوٹے اور دو بڑے۔ ان میں سے تین اس درخواست کی سماعت کے اہل نہ تھے، چوتھے سیشن جج تھے۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں نے ایک جج مسٹر لوبو (Lobo) کو طلب کر کے بینچ ترتیب دیا۔ اپیل کی سماعت شروع ہوئی اور بینچ نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ ان غیر متعلق گواہوں کو بلانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ گویا اپیل خارج ہو گئی۔ دو تین روز بعد مقدمہ سیشن جج کراچی کی عدالت میں آ گیا۔ مقدمے کی اہمیت کے پیش نظر عدالت نے اسے "جیوری ٹرائل" قرار دیا۔ جیوری ۹ افراد پر مشتمل تھی جن میں چھ انگریز ایک پارسی اور دو عیسائی تھے۔ یہ سب کے سب اچھی شہرت معقول سوجھ بوجھ کے مالک اور باعزت شہری تھے۔

قتل کے عام مقدموں کے برعکس اس مقدمے کا کام بہت سیدھا سادہ اور مختصر تھا۔ صفائی کا تو کوئی گواہ تھا ہی نہیں، جب کہ استغاثے کو تمام چشم دید گواہ میسر تھے، سارا دارومدار قانونی بحث پر تھا۔ قتل کی گواہی کے اول دو گواہ تو خود عدالت عالیہ کے دو انگریز جج تھے۔ اس سے بڑھ کر غازی عبدالقیوم کا اقبالی بیان تھا جس میں انہوں نے تسلیم کیا: "میں نے جونا مارکیٹ کی مسجد میں پیش امام کی زبانی نتھو رام کے فحش پمفلٹ کے مندرجات سنے اور اشتہار بھی پڑھا، مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ کل اس کی اپیل کی سماعت کے لیے عدالت میں پیشی ہو رہی ہے؛ چنانچہ اگلے روز میں نے اپنا کاروبار چھوڑا بازار سے ایک خنجر خریدا، اسے تیز کرایا اور سماعت سے پہلے عدالت میں پہنچ گیا۔ ایک نامعلوم شخص کے ذریعے نتھو رام کو شناخت کیا اور پھر اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے دیکھا۔ یکا یک میرے سینے میں غیظ و غضب کا طوفان اٹھ آیا۔ میں آپے سے باہر ہو کر اپنی نشست سے اٹھا۔ شلوار کے نیفے میں چھپایا ہوا خنجر نکالا اور چشم زدن میں نتھو رام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس کی آنتیں نکل آئیں اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ دوسرا وار اس کی گدی پر کیا اور یہ ضرب پہلی سے زیادہ کاری ثابت ہوئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور چند ہی منٹ میں اس کا قصہ تمام ہو گیا۔"

سید محمود اسلم کہتے ہیں "اس اقبالی بیان کی تائید

میں ضابطے کے بیانات ہوئے اور استغاثے کے چشم دید گواہ (عدالت کے دوجج) پیش ہوئے۔ جہاں تک واقعاتی پہلو کا تعلق تھا، بچاؤ کی کوئی گنجائش نہ تھی، بس جذبے اور ارادے والی بات رہ جاتی تھی مگر غازی موصوف کے اقبالی بیان سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے یہ اقدام ٹھنڈے دل و دماغ سے اور خوب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس میں فوری اشتعال اور فوری ردعمل کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ میں نے کیس کو تقریباً ان ہی خطوط پر تیار کیا اور قانون سے زیادہ نفسیات انسانی اور تاریخ سے بحث کی۔ جیوری اور جج کے سامنے میں نے جو بحث کی وہ شاید برطانوی ہند میں اپنی نوعیت کی واحد اور منفرد بحث تھی۔ جس روز بحث ہونا تھی میں قانونی پلندوں کے بجائے قرآن کریم کا نسخہ لے کر عدالت میں پیش ہوا۔ جج اور جیوری میرے ہاتھ میں قرآن پاک کا نسخہ دیکھ کر متحیر رہ گئے۔ عام وکلاء سے ذرا پیچھے ہٹ کر میں بلند آواز میں بحث کا آغاز کیا اور کہا ''حضور والا و معزز صاحبان جیوری! مجھے مقدمے کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں کہنا، کیونکہ جہاں تک وقوعے کا تعلق ہے، وہ ثابت ہو چکا ہے۔ مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ میرا یہ اقدام اس قانون پر مبنی تھا اور یہ آئین جو آج چین کی سرحد سے لے کر مراکش تک جاری و ساری ہے، جسے کئی حکومتیں اپنے پینل کوڈ کے طور پر استعمال کر رہی ہیں، ہماری تہذیب اور ہمارے کلچر کی بنیاد ہے۔ میں جانتا ہوں عدالت اس کوڈ سے انکار کر کے اس کے تقدس کو ٹھیس پہنچائے گی؛ لہٰذا میں اسے کھول کر نہیں دکھاؤں گا لیکن مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی کے سہارے کہوں گا۔ اس میں بار بار مذہبی پیشواؤں کو برا کہنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے، مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا حادثہ نہیں ہے۔ گذشتہ چند سال میں ایسی متعدد وارداتیں ہو چکی ہیں۔ خصوصاً دلی اور لاہور میں بالکل اسی نوعیت کے دو قتل ہو چکے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فطرت انسانی دوسرے کی بدزبانی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس سے نفسیاتی طور پر جواب اور انتقام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان اپنی استطاعت کے مطابق زبان، قلم یا ڈنڈے سے کام لے کر اپنی انا کی تسکین کرتا ہے۔ اگر گزشتہ واقعات کے فوراً بعد اس قسم کی حرکتوں کے انسداد کے لیے قانون کوئی موثر کارروائی کرتا تو نتھو رام کی واردات قتل ہرگز ہونے نہ پاتی۔

''مسلمان ایک عرصے سے ہندو اکثریت اور برطانوی حکومت کو سمجھا رہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جذبات وحسیات اور حیات کی شہ رگ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں وہ اتنا ذکی الحس واقع ہوا ہے کہ معمولی سی گستاخی پر بھی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ دوسرے کی جان تو ایک طرف وہ خود اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ جناب والا! ہر مسلمان اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ اپنی جان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کردے۔ مسلمانوں کو تختہ دار یا کسی موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔ **"My lord! we don't care who look for your gallows or your penal codes.**

جج صاحب! منافرت کا مخرج اور سرچشمہ جہاں ہے، دراصل وہیں سے نفرت کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ اس ضمن میں مسلمان اپنے اعصاب میں توازن برقرار رکھنے سے قاصر ہیں، وہ نہ تو تعزیرات ہند سے گھبرائیں گے نہ پھانسی کے پھندے سے ڈریں گے؛ حتیٰ کہ چین سے مراکش تک پھیلے ہوئے مسلمانوں کا بچہ بچہ اس فتنے کا سر کچلنے کے لیے میدان میں آجائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسی صورت میں دوچار ہونے والے مسلمان کا سوچ سمجھ کر اٹھایا ہوا قدم بھی فوری اشتعال کی تعریف میں آنا چاہیے۔ یہ دیہاتی ان پڑھ ایک معصوم انسان ہے جو اپنی افتاد طبع کے مطابق فوری اشتعال کے تحت اس فعل کا مرتکب ہوا ہے جس کو آج وہ اپنا فرض عین سمجھ رہا ہے۔ اگر عدالت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا ہے تو اسے کچھ قید با مشقت سے زیادہ سزا نہیں ہونی چاہیے۔ آپ کی عدالت رعایت کے معاملے میں رقیب کو دن دہاڑے قتل کرنے والے اقبالی مجرم کو بری کر سکتی ہے اور اراضی کے قبضے اور بے دخلی کے سلسلے میں مالک کو ہلاک کرنے والے مزارع کے لیے صرف چار چھ سال کی سزا کافی سمجھتی ہے، تو عبدالقیوم کے معاملے میں کیوں نرمی سے کام نہیں لے سکتی؟''

عدالت نے بحث سننے کے بعد اسی دن فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ مقررہ تاریخ پر کثیر تعداد میں ہندو اور مسلمان رہنما، وکیل، صحافی اور کراچی کے علاوہ دوسرے شہروں حیدرآباد، نواب شاہ، بہاول پور اور پنجاب تک سے عام لوگ آئے تھے۔ بعض مسلم اصحاب کو خفیہ ذرائع سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جیوری کی اکثریت سزائے موت کے بجائے حبس دوام (کالے پانی) کی سزا کے حق میں ہے اور یہ جان کر قدرے مطمئن تھے، لیکن مسلمانوں کی توقع کے برخلاف جج نے غازی عبدالقیوم کو موت کی سزا سنادی۔ غازی عبدالقیوم نے منہ سے بے ساختہ الحمد للہ نکلا اور وہ تن کر کھڑے ہو گئے ،ان کے جذبے سے لبریز الفاظ لوگوں نے سنے۔ حاضرین نے انہیں یہ کہتے ہوئے سنا:

''جج صاحب! میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس سزا کا مستحق سمجھا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، میرے پاس لاکھ جانیں ہوتیں، تو وہ بھی ایک ایک کر کے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربان کر دیتا۔ اس کے بعد انہوں نے بر سر عدالت '' اللہ اکبر'' کا نعرہ اتنے زور سے لگایا کہ اس کی گونج عدالت' گیلری، برآمدے اور باہر والوں نے بھی سنی، جن تک جج کی آواز نہیں پہنچی تھی، وہ سمجھے غازی عبدالقیوم کو بری کر دیا گیا ہے۔ فروری ۱۹۳۵ء میں محمود اسلم شاہ ایڈووکیٹ نے لکھا اور ایک انٹرویو دیتے ہوئے بھی اس بات کا تذکرہ کیا: '' چند روز بعد میں نے اپنے تین رفقاء حاجی عبدالخالق' مولوی ثناءاللہ اور مولانا عبدالعزیز پر مشتمل ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا کہ سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے کے لیے وائسرائے تک سفارش پہنچائیں۔ علامہ اقبال پہلے تو گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر یہ سوال پوچھا '' کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟'' وفد نے جواب دیا: ''نہیں۔''

جب وفد نے ان کو بتایا کہ غازی تو سرعام کہتے ہیں کہ میں نے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ وفد کی یہ گفتگو سن کر علامہ اقبال کا چہرہ تمتما اٹھا۔ انھوں نے برہمی کے انداز میں فرمایا '' جب وہ خود کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں!!! کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لیے وائسرائے ہند کی خوشامد کروں جو زندہ رہے تو غازی اور مرجائے تو شہید ہے۔'' پھر انھوں نے یہ اشعار سنائے۔

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الھاً آخر
(اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو مدد اور عبادت کے لیے نہ پکار)''

سزا کے خلاف اپیل

بیرسٹر سید محمود اسلم لکھتے ہیں: '' ہم (کراچی کے مسلمانوں) نے ایک کمیٹی بنائی جس کا کام یہ تھا کہ جہاں تک ہو سکے اس معاملے میں کوشش کر کے غازی صاحب کو پھانسی کی سزا سے بچایا جائے۔ اس کمیٹی کی جانب سے اپیل داخل ہوئی جو ہائی کورٹ کے دوسرے ججوں

نے سنی۔ پٹنہ (بہار) سے ایک مسلمان وکیل صاحب اپنے خرچ پر کراچی تشریف لائے اور اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ صاحب بعد میں مسلم لیگ کی طرف سے چیف منسٹر بھی بنے۔ انہوں نے اور میں نے مل کر ہائی کورٹ میں اپیل کی پیروی بھی کی، مگر اپیل کہاں منظور ہونی تھی۔ پھر ہم نے پریوی کونسل میں بھی اپیل کی، مگر وہاں سے بھی منفی جواب آیا۔ اس طرح پانچ چھ مہینے گزر گئے۔ یہ ٹرائل (Trial) اکتوبر ۱۹۳۴ء کے پہلے ہفتے میں ہوا تھا۔ چھ ماہ بعد یعنی مارچ ۱۹۳۵ء کو میں نے ایک درخواست بمبئی کے گورنر کے نام بھیجی۔ ۱۸ مارچ ۱۹۳۵ء کو جواب ملا کہ آپ کی درخواست موصول ہوگئی ہے، اس پر غور ہو رہا ہے، چند روز تک آپ کو جواب مل جائے گا۔ ابھی ہم اس درخواست کے جواب کے انتظار میں تھے کہ دوسرے ہی روز یعنی ۱۹ مارچ کی صبح جب میں اپنے دفتر پہنچا تو ایک شخص بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور اس نے کہا'' جناب! غازی عبدالقیوم کو تو آج صبح پانچ بجے کے قریب پھانسی دے دی گئی ہے۔'' میں پریشانی کے عالم میں مولانا عبدالعزیز کو لے کر جیل پہنچا، تو پتہ چلا کہ صبح فجر کی اذان کے وقت غازی کے لواحقین کو بتایا گیا کہ عبدالقیوم کو پھانسی دے دی گئی ہے اور لاش کو پولیس سرکاری گاڑی میں میوہ شاہ قبرستان لے گئی ہے۔ جنازہ تیار کر کے انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جلدی جلدی میت کا منہ دیکھ لیں۔ میں نے اپنے ساتھ جناب عبدالخالق کو لیا اور میوہ شاہ کے قبرستان پہنچا۔ اس وقت دن کے تقریباً دس گیارہ بجے کا وقت تھا، وہاں ہزاروں کے قریب مسلمان جمع تھے۔ معلوم ہوا کہ پولیس پہلے سے تیار شدہ قبر میں میت کو اتار چکی تھی کہ وہاں ہزاروں مسلمان پہنچ گئے اور پولیس کو لحد پر مٹی نہیں ڈالنے دی گئی۔ قلندر خان اور دیگر نے غازی کی میت کو قبر سے نکال کر چارپائی پر رکھ دیا تھا۔ لوگ نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے وہاں جمع ہو چکے تھے اور غازی شہید کا آخری دیدار کر رہے تھے۔ غازی عبدالقیوم کی پھانسی کی خبر چھپانے کی کوشش کے باوجود یہ خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور دفعہ ۱۴۴ کے باوجود صبح ہی صبح ہزاروں مسلمان میوہ شاہ قبرستان پہنچ گئے۔ مجسٹریٹ نے فوج طلب کر لی تھی۔ انگریز فوج اور پولیس چاکیواڑہ پر کھڑی تھی، جب جنازے کا جلوس ریکسر لائن ڈھیلی کے (خواجہ سراؤں کی بستی) مقام پر پہنچا تو انگریز فوج نے انہیں روک لیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ جنازے کو اٹھا کر شہر کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ مجھے اس پر سخت تشویش ہوئی کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ اس اقدام پر حکومت کا ردعمل کیا ہوسکتا ہے۔ انگریزوں پر ہندوؤں کا گہرا اثر تھا اور اگر یہ جلوس شہر گیا تو لازمی طور پر فساد برپا ہوگا۔ میں اور عبدالخالق صاحب موٹر میں بیٹھ کر فوراً روانہ ہوئے اور چاکیواڑہ کی طرف سے نکل آئے کہ جلوس کو آگے نہ جانے دیا جائے کیونکہ بڑے خون خرابے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا۔ موٹر کو ایک طرف کھڑا کر کے میں اور عبدالخالق صاحب جلوس کے آگے آگئے، اتنے میں جلوس آپہنچا۔ میں نے دیکھا کہ جنازے کو کاندھے پر رکھے ہوئے اس وقت میرے نہایت ہی عزیز دوست ماسٹر قلندر خاں اور دیگر تین دوسرے افراد آگے تھے۔ ہم نے ہاتھ اٹھا کر جنازے کو آگے جانے سے روکنے کی کوشش کی اور چلا کر کہا، جلوس کو آگے مت لے جاؤ، سخت خطرہ ہے۔ سامنے کے لوگ تو ہمیں دیکھ کر رک گئے، لیکن پیچھے آنے والا ایک بہت بڑا جم غفیر عقب سے امڈتا رہا اور ہمیں بھی دھکے لگنے لگے، آگے والے لوگ جو رک گئے تھے، گرنے لگے۔ عبدالخالق صاحب کو دھکا لگا اور وہ پیچھے گر گئے۔ میں نے دوڑ کر ان کا ہاتھ پکڑا اور اٹھا کر موٹر کی طرف لے گیا، مبادا وہ لوگوں کے پیروں تلے کچل نہ جائیں۔

جنازے کا جلوس پرامن طور پر آگے بڑھ رہا تھا کہ تڑا تڑ گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں، دیکھا تو لوگوں پر سامنے کی گلی سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ قلندر خان کی ٹانگوں پر تین گولیاں لگیں مگر انہوں نے جنازے کو گرنے نہیں دیا۔ ایک عینی شاہد کے مطابق ایک خواجہ سرانے جو بہت مشتعل تھا اور غازی کی شہادت پر افسردہ تھا، ایک پتھر کھینچ کر انگریز فوج اور پولیس کو دے مارا جس سے ایک انگریز افسر زخمی ہوگیا جس کے بعد فوج اور پولیس نے براہ راست ہجوم پر فائرنگ شروع کر دی۔ قلندر خاں بڑا شیر دل جوان تھا، ساڑھے چھ فٹ کا لمبا تڑنگا بہادر شخص تھا۔ اس نے لوگوں کے تتر بتر ہونے پر میت کی چارپائی کو درمیان سے پکڑ کر اپنے سر پر اٹھالیا اور پچھلی طرف کو بھاگا کیونکہ سامنے سے جنازے کے جلوس پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ تقریباً سوڈیڑھ سو گز اکیلا جنازے کو لے کر بھاگا۔ آخر ٹانگوں سے بہت زیادہ خون بہہ جانے سے کمزوری سے وہ لڑکھڑانے لگا، تو لوگوں نے جنازے کو سنبھال لیا اور قلندر خاں کو گاڑی میں ڈال کر مرہم پٹی کے لیے لے گئے۔ یہاں سے غازی عبدالقیوم شہید کی میت کو واپس قبرستان لے جایا گیا۔ اندھا دھند فائرنگ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دکانوں اور جھونپڑیوں میں بیٹھے ہوئے بچے' عورتیں اور مرد بھی اس کا نشانہ بنے۔

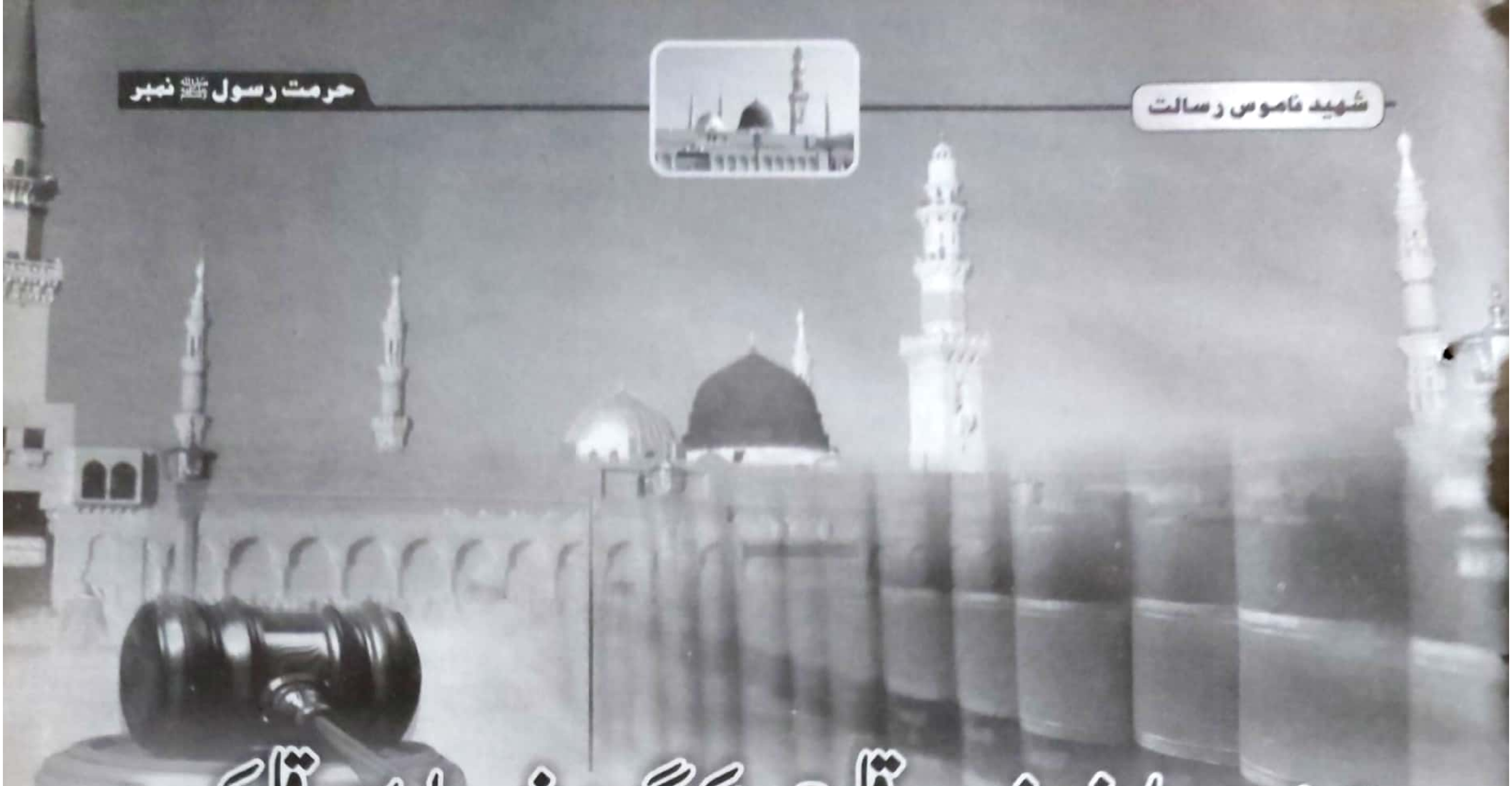
یہ ایک الم ناک دن تھا۔ اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ نہیں رونما ہوا تھا کہ جنازے کے جلوس پر فائرنگ کر کے سینکڑوں افراد کو بھون کر رکھ دیا گیا اور سینکڑوں زخمی ہوئے ہوں۔ پولیس کی فائرنگ سے ایک سو بیس سے زیادہ افراد شہید اور کئی سو زخمی ہوئے جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ بیرسٹر اسلم شاہ نے بتایا کہ میں نے سو سے زیادہ لاشیں سول اسپتال میں گنی تھیں۔ وہ اس سانحے کے بعد مولانا عبدالخالق' مولانا عبدالعزیز اور حاتم علوی کو لے کر بمشکل سول اسپتال پہنچے۔ ہسپتال کے اردگرد بھاری تعداد میں پولیس اور کچھ فوج موجود تھی، ہسپتال میں کہرام مچا ہوا تھا۔ بڑی تعداد ایسے زخمیوں کی تھی جن کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے، جب اگلے دن صبح جوانوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے ہاتھ پاؤں کی ہڈیوں کے ٹکڑوں سے بھری دیگ ہسپتال سے نکلی، تو بے اختیار لوگوں کی چیخیں بلند ہوگئیں۔ اس موقعے پر میری بھی چیخ نکل گئی اور کئی دن تک حواس بحال نہ ہوئے۔

شیخ عبدالمجید سندھی اور محمد ہاشم نے بمبئی کی صوبائی اسمبلی میں اس واقعے پر شدید احتجاج کیا کیونکہ سندھ اس وقت تک سندھ کے منتخب ارکان بھی بمبئی کی مجلس قانون ساز میں بیٹھا کرتے تھے۔ احتجاج میں شدت آئی تو انگریز حکومت نے جلوس پر فائرنگ سے جاں بحق ہونے اور زخمیوں کے لیے معاوضے کا اعلان کیا۔ ان دنوں اتفاق سے دہلی میں مرکزی اسمبلی کا بھی اجلاس ہو رہا تھا۔ وائسرائے کے نام ایک تار دیا گیا اور ایک قاصد قائداعظم محمد علی جناح کے پاس روانہ کیا گیا۔ کراچی کے مسلمانوں نے ایک ریلیف کمیٹی قائم کی جس کی امداد کے لیے دہلی' لاہور اور دیگر شہروں اور قصبوں سے چندے موصول ہوئے۔ قائداعظم نے اسمبلی میں اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ یہ آواز برطانوی پارلیمنٹ کے ایوانوں میں بھی گونجی اور برطانوی وزیر اعظم نے بھی اظہار افسوس کیا۔

☆☆☆

اس مضمون کی تیاری میں شہید ناموس رسالت غازی عبدالقیوم شہید کے وکیل بیرسٹر سید محمود اسلم شاہ مرحوم کے تحریر کردہ کتابچے عبدالقیوم، معروف لکھاری ابو الفضل صدیقی کے بیرسٹر اسلم شاہ کے ساتھ انٹرویو' نوائے وقت میں شائع شدہ مقدمے کی روداد اور غازی صدیق شہید کے یوم شہادت پر''روزنامہ امت'' میں چھپنے والے شبیر سومرو اور عبید شاہ کی رپورٹ (۱۹ مارچ۔۲۲ مارچ ۲۰۰۶ء) مولانا نذیر احمد تونسوی' ڈاکٹر حافظ فیوض الحسن اور دیگر موقر مقالہ نگاروں کے مضامین اور یوم شہادت پر چھپنے والے اخبارات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆☆☆



غازی عبدالرشید شہید... قلم چھوڑ کر گستاخ رسول کا سر قلم کردیا

۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شام چار پانچ بجے دریبہ کے ہندو علاقے میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی، لوگ سراسیمہ ہوکر ادھر ادھر آجارہے تھے، شام چھ بجے روزنامہ ''تیج'' کا ضمیمہ آگیا، اس سے لوگوں کو پتہ چلا کہ کاتب غازی عبدالرشید نے پستول سے شردھانند کو گولی کا نشانہ بنادیا ہے۔ اخبار میں غازی عبدالرشید کی تصویر چھپی ہوئی تھی جس میں وہ ہتھکڑیاں پہنے پولیس کی حراست میں کھڑے تھے اور جسم پر چادر تھی۔ یہ وہی چادر تھی جس میں وہ پستول چھپا کر شردھانند کے دفتر لے گئے تھے اور اس شاتم رسول کو ختم کیا تھا۔ قاضی عبدالرشید دہلی میں اخبار'' ریاست ''میں خوش نویس کے طور پر ملازم تھے۔ ان کے اخبار کا دفتر کوچہ بلاقی بیگم میں تھا۔ دراز قد، چھریرے بدن اور گندمی رنگت والے قاضی عبدالرشید کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے ''غازی عبدالرشید'' ہونا لکھ دیا تھا۔ ان کا قیام اخبار کے دفتر میں ہی رہتا تھا، صوم وصلوٰۃ کے بے حد پابند تھے۔ کرتے پاجامے اور ترکی پھند نے والی سرخ ٹوپی سے ان کی مخصوص شخصیت کی پہچان ہوتی تھی۔ غازی عبدالرشید شہید بگراس ضلع بلند شہر (یوپی) کے رہنے والے تھے، ملازمت کے سلسلے میں دہلی میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے دفتر میں ملک بھر سے اخبارات، رسائل وجرائد اور کتابچے اور پمفلٹ آتے تھے وہ انھیں ضرور پڑھتے تھے۔ ان دنوں آریہ سماجیوں کی مذموم حرکتوں سے عام مسلمانوں کی طرح ان کے بھی دینی جذبات مجروح ہوتے رہتے تھے۔ حالات کے اثر سے ان کا دل کام میں نہیں لگتا تھا اور وہ اکثر گم سم رہنے لگے تھے، اس سے ان کا کام متاثر ہوتا تھا اور اخبار کی انتظامیہ کو بھی ان سے شکایات پیدا ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی

محمود عالم صدیقی

کتابت کرتے اور کبھی کام چھوڑ کر غائب ہوجاتے تھے۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۶ء کو بھی ایسا ہی ہوا۔ اخبار ریاست کی آخری کاپی پریس میں جانے کے لیے جوڑی جارہی تھی، مقررہ وقت صبح نو بجے تھا اور اس وقت دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور عبدالرشید کاتب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ چند مسودے بھی ان ہی کے پاس تھے، جب وہ آئے تو ان کے اس قدر دیر سے آنے پر جواب طلب کیا گیا۔ انھوں نے خلاف معمول جھلا کر جواب دیا، چولہے

> غازی عبدالرشید کے خنجر کے ایک ہی ایمان افروز وار سے کروڑوں ہندو نوے برس تک شدھی تحریک کا نام تک بھولے رہے۔ مگر اب نریندر مودی جیسے دہشت گرد ہندو کے برسر اقتدار آتے ہی مسلم دشمنی سے آلودہ ہندو خصلت میں پھر سے شدھی کے بدبودار کیڑے نمودار ہو رہے ہیں۔

میں گئی تمھاری کاپی اور یہ کہہ کر غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے، پھر کہا '' مجھے نوکری کی پروا نہیں، میں آئندہ کام نہیں کروں گا'' یہ کہا اور باہر چل دیے۔ اخبار والوں کو ان کی دل کی لگی کی خبر نہ تھی۔ ان کے غم اور پریشانی کی وجہ ایک دریدہ دہن شردھانند تھا جس نے ان کے آقا و مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کی ایک تحریک چلا رکھی تھی۔

شردھانند پولیس میں ایک اہل کار کے طور پر ملازم تھا، پولیس کی ملازمت چھوڑ کر آریہ سماج کا پرجوش کارکن بن گیا۔ وہ عرصہ دراز سے دہلی میں مقیم تھا۔ اپنے گھناؤنے اور اسلام دشمن روپ سے پہلے اس نے کئی سوانگ بدلے۔ تحریک خلافت سے پہلے وہ خو کو ایک قوم پرست قرار دیتا تھا۔ تحریک خلافت کے دوران ۱۹۱۹ء میں اس نے انتہائی منافق کا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمانوں اور خلافت کے انتہائی ہمدرد اور بہی خواہ کی حیثیت سے خود کو پیش کیا، حتیٰ کہ جامع مسجد دہلی میں جمعہ کے دن نماز کے بعد اس نے مسلمانوں سے خطاب کیا ،مگر تحریک خلافت کے خاتمے کے چند ماہ بعد ہی اس کا اصل روپ یعنی اسلام اور مسلم دشمن روپ ظاہر ہوگیا۔ اس نے اسلام اور مسلم اکابرین اور شعائر اسلامی کے خلاف اپنی مذموم سرگرمیاں بڑی منصوبہ بندی اور شدومد سے شروع کردیں۔ شردھانند دراصل آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کا چیلہ اور متعصب ہندو تھا۔ ہندو راشٹر کا تصور بھی پہلی بار شردھانند نے اپنی کتاب میں

پیش کیا۔ غازی عبدالرشید کے خنجر کے ایک ہی ایمان افروز وار سے کروڑوں ہندو نوے برس تک شدھی تحریک کا نام تک بھولے رہے۔ مگر اب نریندر مودی جیسے دہشت گرد ہندو کے برسراقتدار آتے ہی مسلم دشمنی سے آلودہ ہندو خصلت میں پھر سے شدھی کے بدبودار کیڑے نمودار ہو رہے ہیں۔ ماضی کی سوامی دیانند سرسوتی شدھی تحریک اور سوامی شردھانند کی مہاسبھا تنظیم کا مقصد بھی وہی تھا جو آج سنگھ پریوار اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی ماڈرن شدھی تحریک کا ہے۔ شردھانند نے شدھی (مسلمانوں کو ہندو بنانے) کی آگ کو شدید کرنے کے لیے اردو میں روزنامہ "تیج" اور اس کے بیٹے نے ہندی زبان میں روزنامہ "ارجن" جاری کیا ہوا تھا۔ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس کا اور اس جیسے دوسرے آریہ سماجیوں کا وطیرہ تھا۔ وہ اپنی ان مذموم حرکتوں کی وجہ سے ۱۹۲۳ء کے آغاز میں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت جیل کی ہوا کھا چکا تھا، مگر معافی مانگ کر رہا ہو گیا تھا، لیکن اپنی حرکتوں اور ہتھکنڈوں سے باز نہیں آیا اور انگریز حکمرانوں کی چاپلوسی اور متعصب اور کٹر ہندوؤں کی اسلام دشمنی کو مہمیز دینے کے لیے دین اسلام اور اکابرین اسلام کے خلاف زہر اگلنا اور اشتعال انگیز تحریروں اور تقریروں کے لامتناہی سلسلے کو جاری وساری کر دیا۔

یہ وہ دور تھا کہ جب گاندھی کی شروع کردہ تحریک ترک موالات دم توڑ رہی تھی۔ تحریک خلافت کے ہندوستان گیر اثرات اور مسلمانوں کے دن بدن بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے گاندھی جی خائف تھے اور مختلف بہانوں سے وہ کانگریس اور ہندوستان کو مسلمانوں کے غلبے اور اثرات سے نکالنے کی تگ ودو میں تھے۔ بڑے بڑے ہندو رہنماؤں کے عملی اشتراک سے مسلمان کش تحریکیں جاری وساری کی گئیں۔ شدھی کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اسلام سے بیزار کر کے ہندومت کا پیروکار بنایا جائے۔ گاندھی سمیت متعصب ہندو لیڈر بڑے زور و شور سے اس خیال کے حامی تھے کہ مسلمان دراصل ہندو نسل سے ہیں جو مذہب بدل کر مسلمان ہو گئے تھے، لہٰذا انھیں دوبارہ ہندو بنایا جائے۔ سنگھٹن تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان سے مسلمانوں کا وجود ہمیشہ کے لیے ختم کر نے کے لیے نہ صرف مختلف فرقوں اور مکاتب فکر کے ہندوؤں کو، بلکہ سکھوں اور بدھوں کو بھی عظیم تر ہندو قومیت کے نام پر متحد کیا جائے اور مسلمانوں پر جارحانہ حملوں کو منظم کرنے کے لیے فوجی طرز کے مسلح دستے تیار کیے جائیں۔ یوپی کے اضلاع میں لاکھوں کم تعلیم یافتہ راجپوت مسلمان آباد تھے۔ مسلمانوں پر شدھی کا پہلا سخت حملہ ان ہی علاقوں میں ہوا۔ راجپوتوں کو دین اسلام سے

۱۷ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شردھانند دہلی میں اپنے آشرم میں اپنی رہائش گاہ پر موجود تھا کہ غازی عبدالرشید ریوالور لے کر دن دہاڑے اس کے آشرم میں جا پہنچے۔ انہوں نے اس دشمن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بالکل سامنے جا کر اسے للکارا اور اسے مہلت دیے بغیر پستول کی لبلبی دبا دی۔ چھ گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور یوں بیسویں صدی کے ایک بہت بڑے فتنے کی کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

منحرف کرنے کے لیے لالچ، طمع، جبر و تشدد دھونس دھمکی غرضیکہ تمام حربے اور ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔

شدھی کے خطرناک فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام قابل ذکر علماء و مشائخ اور اکابرین نے ایک مثالی اتحاد قائم کیا اور عزم و استقلال، حوصلے اور جرات سے اس فتنے کا سامنا کیا۔ بڑی پامردی سے اور یک جان ہو کر اس فتنے کا کامیابی سے مقابلہ کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی سے نہ صرف مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، انگریزوں نے بغاوت اور غداری کے سرسری مقدمات میں ہزاروں مسلمانوں کو تختہ دار پر چڑھایا، ان کی جائیدادیں اور وظیفے ضبط کر لیے گئے۔ کالے پانی کی سزائیں دی گئیں۔ ثقافتی محاذ پر اردو اور فارسی کو ختم کر دیا۔ انگریزی کو سرکاری اور عدالتی زبان قرار دیا۔ مسلمانوں پر تجارت اور معاش کے دروازے بند کر دیے۔ مسلمانوں کی صنعت و حرفت ختم کر کے انہیں

برہمنوں اور انتہا پسند ہندوؤں کی شعوری کوشش تھی کہ سارا ہندوستان اکھنڈ بھارت بن جائے اور مسلمانوں کو بھی ہندو بنا لیں ورنہ مسلمان بھی نہ رہنے دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دارفتگی اور عشق ہی مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ تھا، اس کو کمزور کرنے کے لیے انھوں نے اہانت اور توہین رسالت کے مکروہ ہتھکنڈوں پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

غربت و افلاس سے دوچار کر دیا۔ ہندوستان میں مسلم معاشرہ ایسے زوال اور عذاب سے کبھی دوچار نہیں ہوا تھا۔ ہندو قوم کی آبادی ہندوستان کی کل آبادی کے تین چوتھائی پر مشتمل تھی، ہندوستان کی آبادی اس وقت تقریباً چالیس کروڑ تھی، جس میں تیس کروڑ ہندو اور سکھ تھے مسلمان تقریباً دس کروڑ تھے۔ برہمنوں اور انتہا پسند ہندوؤں کی شعوری کوشش تھی کہ سارا ہندوستان اکھنڈ بھارت بن جائے اور مسلمانوں کو بھی ہندو بنا لیں ورنہ مسلمان بھی نہ رہنے دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دارفتگی اور عشق ہی مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ تھا، اس کو کمزور کرنے کے لیے انھوں نے اہانت اور توہین رسالت کے مکروہ ہتھکنڈوں پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو وہ شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ اپنے انگریز آقاؤں کی ملی بھگت سے وہ ان کو معاشی طور پر بہت پیچھے دھکیل ہی چکے تھے۔ اب انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ایک منظم مہم شروع کی اور مسلمانوں کے دین اور رسول اکرم ﷺ سے ان کے والہانہ عشق کو ختم کرنے کی غرض سے اسلامی شعائر اور اکابرین اور خصوصاً پیغمبر اسلام کے کردار پر رکیک حملے شروع کر دیے تھے۔

دہلی میں ان دنوں شردھانند کا بہت شہرہ تھا، اس نے اپنے آریہ سماج بھگتوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غلیظ گالیوں' بہتان تراشیوں اور اشتعال انگیز کارروائیوں کا طوفان اٹھا رکھا تھا۔ اس کا اصل نام منشی رام تھا اور وہ مسلمانوں کے خلاف فرنگی سازشوں کا آلۂ کار تھا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کی جو فضا برسوں کے اندر پیدا ہوئی تھی، شردھانند اور اس کے چیلوں نے چند مہینوں میں اسے نفرت و انتشار میں بدل دیا۔ یہ لوگ گاؤں گاؤں پھیل گئے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے لگے۔ حد یہ کہ ان لوگوں نے براہ راست ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے شروع کر دیے۔ روزنامہ "تیج" میں شردھانند کے قلم سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تحریر کے نام پر مغلظات پیش کی جاتی تھیں، آیات قرآنی کا تمسخر اڑایا جاتا تھا اور ان کا ذکر فحش الفاظ میں کیا جاتا تھا۔ اس کے ہندی اخبار "ارجن" میں سابق مسلم سلاطین کے عہد کے فرضی مظالم کی داستانیں انتہائی مبالغہ آرائی کے ساتھ شائع کی جاتیں اور ہندو عورتوں کے اغوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی آبروریزی کے فرضی قصے لکھے جاتے تھے۔ ایک آریہ سماجی نے تو قرآن کریم کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ شردھانند کی آشیرباد سے ایک اور اخبار "گرو گھنٹال" جاری کیا گیا جس کے اجرا کا واحد مقصد

مسلمانوں' ان کے برگزیدہ اکابرین اور اولیاء کرام کی توہین اور ان کے خلاف ہرزہ سرائی تھا۔ شردھانند کے ایک چیلے نے تو حد کردی اس نے "چڑپٹ" کے نام سے ایک کتاب لکھ دی جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام اور خصوصاً حضرت ابراہیم، حضرت لوطؑ، حضرت ایوبؑ اور حضرت اسحاقؑ کی شان میں انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا گیا اور ان کی شان اقدس میں سخت گستاخیاں کی گئیں تھیں۔ انتہا پسند آریہ سماجی ہندوؤں کی گستاخانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں اور مسلمانوں کے یکساں دشمن اور متعصب سامراجی حکمرانوں کی طرف سے ان سرگرمیوں کی پشت پناہی سے غیور اور غیرت مند مسلمانوں کے جذبات کا لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔

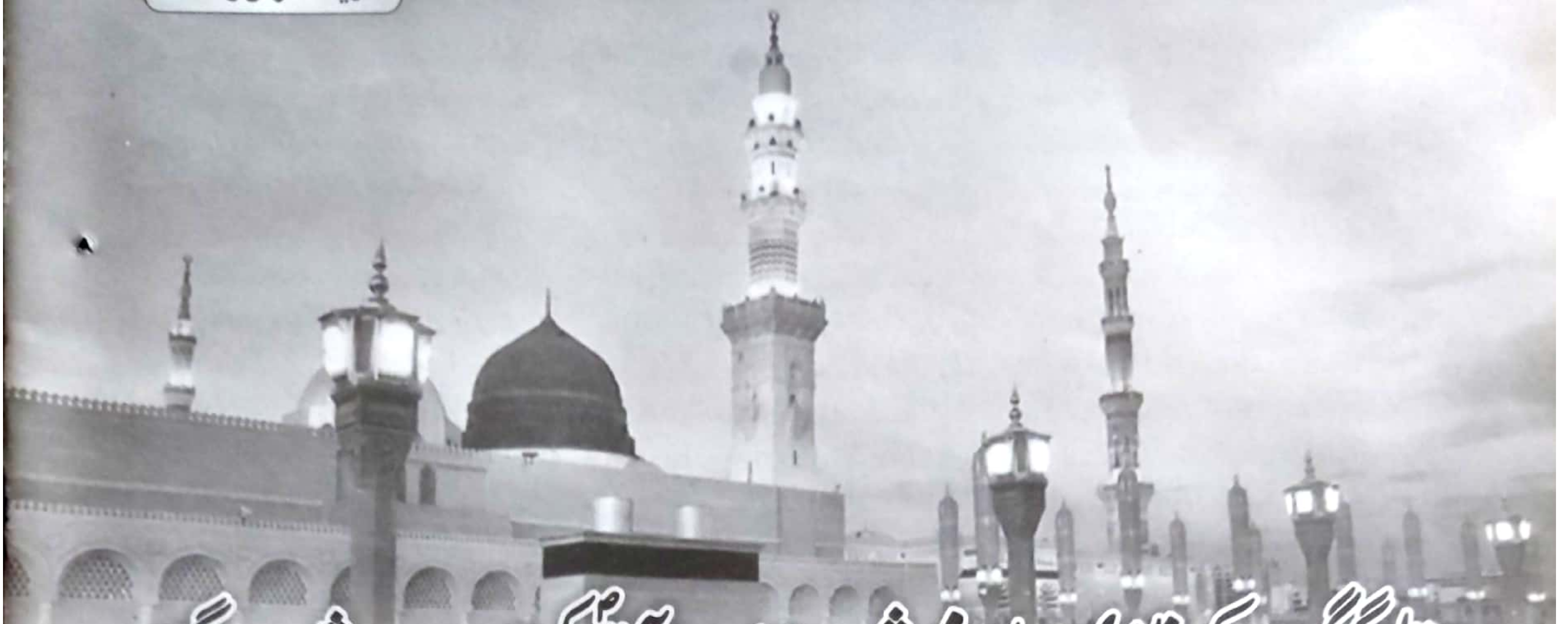
مسلمان دنیا کی ہر قوم اور مذہب سے زیادہ اپنے نبی، اپنی الہامی کتاب قرآن اور اپنے دین سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں اور ان کی حرمت اور ناموس کی خاطر اپنا تن' من' دھن سب قربان کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب غیر منصف سامراجی حکمرانوں نے مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات کی کوئی پروا نہیں کی، تو شاتمین رسول کی ان مذموم حرکتوں نے جگہ جگہ مسلمانوں کو جگا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شاتمین رسول سے اپنے آقا ﷺ کی توہین کا بدلہ لینے کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ غازی عبدالرشید بھی ان غازیوں میں سے ایک تھے۔ انہیں شردھانند کو مارنے کے لیے کسی مناسب ہتھیار کی تلاش تھی، اسی مقصد کے لیے دہلی سے افغانستان روانہ ہوئے اور وہاں سے ایک پستول خرید کر لوٹے۔ واپس پہنچے تو اس دشمن خدا کا قصہ پاک کرنے کی فکر میں لگ گئے، تاہم شردھانند کا ہاتھ آنا آسان نہ تھا، جتنا وقت گزرتا تھا، غازی عبدالرشید کی بے قراری بڑھ رہی تھی۔ اس زمانے میں جن لوگوں نے انہیں دیکھا انہوں نے بعد میں بتایا کہ جذبے کی حرارت جوں جوں بڑھتی گئی، اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا چہرہ نکھرتا گیا۔ وہ مسلسل موقعے کی تلاش میں رہتے تھے، بالآخر قدرت نے یہ موقع انہیں جلد ہی فراہم کر دیا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۲۶ء کو شردھانند دہلی میں اپنے آشرم میں اپنی رہائش گاہ پر موجود تھا کہ غازی عبدالرشید ریوالور لے کر دن دہاڑے اس کے آشرم میں جا پہنچے۔ انہوں نے اس دشمن رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بالکل سامنے جا کر اسے للکارا اور اسے مہلت دیے بغیر پستول کی لبلبی دبا دی۔ چھ گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور یوں بیسویں صدی کے ایک بہت بڑے فتنے کی کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ غازی عبدالرشید نے اسی مقصد کے لیے اخبار میں لکھنا اور قلم چھوڑا تھا تا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے دشمن کا سر قلم کر سکیں، اس مشن میں وہ کامیاب ہوئے۔ ہندوؤں میں صف ماتم بچھ گئی۔ گاندھی نے کانگرس کا اجلاس بلا کر ایک تعزیتی قرارداد کے ذریعے قوم سے سوگ منانے کی اپیل کر دی۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے اپنے اخبار میں لکھا کہ سوامی شردھانند مرا نہیں بلکہ آسمان پر مسلمانوں کی شدھ کرنے (ہندو بنانے) کے لیے چلا گیا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے اس کا سخت نوٹس لیا اور "زمیندار" میں ایک تہلکہ خیز نظم شائع کی۔ شدھی تحریک کے بانی سوامی شردھانند کا شمار آج بھارت کے عظیم قومی ہیروز میں ہوتا ہے اور اس مذہبی دہشت گرد کا مجسمہ بھارتی دارالحکومت نئی دہلی کے ٹاؤن ہال کے عین سامنے نصب کیا گیا ہے۔

مقدمہ اور شہادت

غازی عبدالرشید نے شردھانند کو قتل کرنے کے بعد بھاگنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ان پر دفعہ ۳۰۲ کے تحت قتل کا مقدمہ چلایا گیا۔ معروف وکیل سیف الدین کچلو ایڈووکیٹ نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کی۔ ہر پیشی پر عدالت میں غازی عبدالرشید سے محبت کرنے والوں کا بے پناہ ہجوم امڈ آتا تھا۔ مقدمے کی ساری روداد مولانا محمد علی جوہر شائع کرتے تھے۔ وکلاء نے مقدمے کے دوران زور دار دلائل دیے گئے لیکن غازی عبدالرشید خود شردھانند کو کیفر کردار تک پہنچانے کا اعتراف کر چکے تھے، سیشن جج نے غازی عبدالرشید کے عدالت میں اقبال جرم کو بنیاد بنا کر ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ کو انہیں پھانسی کی سزا کا حکم سنا دیا۔ اس کے بعد وکلاء نے ہائی کورٹ میں اپیل بھی دائر کی، مگر وہ بھی مسترد ہو گئی۔ عدالت نے جیسے ہی غازی عبدالرشید کو پھانسی کی سزا دی، ملت اسلامیہ نے اپنے اس قابل فخر سپوت کو شہید اسلام اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب سے نوازا۔ جس روز غازی عبدالرشید کو پھانسی دی جانی تھی، اس روز صبح سویرے سے جیل کے سامنے مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم جمع ہو گیا۔ ہزاروں برقع پوش خواتین ہزار ہا افراد اور بے شمار بچے اپنے گھروں سے نکل کر جیل کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ نعرہ زن تھے، ادھر غازی عبدالرشید کو پھانسی دینے کے بعد جیل کے اندر ہی غسل اور کفن دے دیا گیا۔ جیل کے حکام غازی عبدالرشید کو جیل کے احاطے میں ہی دفن کرنا چاہتے تھے، لیکن مسلمانوں کے شدید احتجاج اور اصرار پر شہید کی میت مشروط طور پر مسلمانوں کے حوالے کی گئی۔ شرط یہ عاید کی گئی کہ جنازے کا جلوس نہیں نکالا جائے گا اور میت کو جیل کے سامنے والے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔ جیل کا پھاٹک کھلتے ہی مسلمانوں کا بے قابو جم غفیر نعرۂ تکبیر لگاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ہزاروں لوگ دیوانہ وار نعرے لگا رہے تھے، انہوں نے جنازے پر قبضہ کر کے سامنے والے قبرستان میں تدفین کرنے کے بجائے جامع مسجد کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایک با اثر مسلم رہنما غازی انوار الحسن مرحوم کی قیادت میں پر جوش مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جنازے کو حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی درگاہ مبارک میں دفن کیا جائے گا۔ عوام میت کو لے کر درگاہ کی طرف بڑھ رہے تھے، یہ جامع مسجد سے تین میل دور تھی۔ تاہم مسلح فوج نے کئی گھنٹوں کی مسلسل تگ و دو کے بعد مغرب کی جانب سے قطب روڈ کے پل پر میت اپنی تحویل میں لے لی، جب کہ جنازے کا جلوس درگاہ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ یہاں سے عاشق رسول کا جنازہ جامع مسجد دہلی لایا گیا اور تقریباً ساٹھ ہزار مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ کہا جاتا ہے، اس وقت دہلی کی کل آبادی تین لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ بعد میں میت کو غازی شہید کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا، جنھوں نے فوج کی نگرانی میں انھیں جیل کے سامنے والے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا۔ یہ جولائی کے آخر یا اگست کے اوائل کے دن تھے، غازی عبدالرشید نے دہلی سینٹرل جیل میں پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈالا اور یوں ان کی ناموس رسولؐ پر فدا ہونے اور اس مرتبہ بلند پر فائز ہونے کی خواہش پوری ہو گئی۔ اس سچے عاشق رسول پر اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔

یہ جولائی کے آخر یا اگست کے اوائل کے دن تھے، غازی عبدالرشید نے دہلی سینٹرل جیل میں پھانسی کے پھندے کو گلے میں ڈالا اور یوں ان کی ناموس رسولؐ پر فدا ہونے اور اس مرتبہ بلند پر فائز ہونے کی خواہش پوری ہو گئی۔

ہم نے ہر دور میں تقدیس رسالت کے لیے
وقت کی تیز ہواؤں سے بغاوت کی ہے
توڑ کر سلسلہ رسم سیاست کا فسوں
اک فقط نام محمدؐ سے محبت کی ہے
ہم نے بدلا ہے زمانے میں محبت کا مزاج
ہم نے ہر دل کو نئی راہ و نوا بخشی ہے
مرحلے بند و سلاسل کے کئی طے کر کے
چہرۂ دار و رسن کو بھی ضیاء بخشی ہے



تلہ گنگ کے غازی میاں محمد شہید جو اپنے آقا ﷺ کی حرمت پر نثار ہو گئے

محمود عالم صدیقی

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی، تو ہندوستان پر برطانوی استعمار کا قبضہ تھا۔ انگریز ہندوستان سے فوجی نفری اور خام مال کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ ایک طرف تو نیپال کے پستہ قد، محنتی اور سخت جان گورکھوں سے اور دوسری طرف پنجاب کے مردم خیز خطے سے لمبے تڑنگے اور دلیر مسلمانوں اور سکھ نوجوانوں سے فوجی ضرورت پوری کی جاتی تھی۔ قصبہ تلہ گنگ سے بھرتی ہونے والے کئی فوجیوں میں صوبیدار غلام محمد بھی تھے جن کو اپنی پلٹن کے ساتھ محاذ جنگ پر بیرون ملک بھی جانا پڑا۔ صوبیدار ملک غلام محمد کی شادی ۱۹۰۸ء میں ہوئی ،لیکن وہ سات سال تک اولاد کی نعمت سے محروم رہے۔ ۱۹۱۴ء میں جب وہ عالمی جنگ چھڑی تو ہندوستانی فوج کے ساتھ ملک سے باہر جانا پڑا۔ ۱۹۱۵ء میں بذریعہ خط انہیں محاذ جنگ پر اپنی پہلی اولاد... بیٹے کی پیدائش کی خوش خبری ملی۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ اڑ کر تلہ گنگ پہنچ جائیں اور اپنے نومولود بیٹے کی شکل دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ برسوں دعاؤں، امیدوں اور آرزوؤں کے بعد اللہ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز کیا تھا، جوان کی آنکھوں سے دور تھا۔ ملک غلام محمد ۱۹۱۹ء میں جنگ کے خاتمے پر ہی وطن واپس آسکے۔ پہلی مرتبہ اپنے لخت جگر کو دیکھا تو ان کا بیٹا میاں محمد پانچ سال کا ہو چکا تھا۔ اپنے پلے پلائے بیٹے کو پا کر صوبیدار ملک غلام محمد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

میاں محمد کو چند روز بعد ہی پرائمری سکول میں داخل کرادیا۔ پانچویں جماعت کی کامیاب تکمیل کے بعد ثانوی تعلیم کے لیے ہائی سکول میں داخل ہوئے لیکن بے چین طبیعت کے سبب ساتویں جماعت کے بعد تعلیم کا سلسلہ ترک کر دیا۔ ڈرائیوری کا شوق ہوا لیکن جلد ہی اس سے بھی دل اکتا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں کوئٹہ چلے گئے اور وہاں ایک ٹھیکے دار کے یہاں ملازمت اختیار کی لیکن ان کی بے چین طبیعت کو قرار نہ آیا۔ ۱۹۳۳ء میں میاں محمد کے والد ملک غلام محمد ریٹائرڈ ہو گئے تو والد نے اپنے بیٹے کو انڈین نیوی میں بھرتی کرادیا۔ صرف سترہ سال کی عمر میں فوجی ملازمت ملتے ہی میاں محمد کی شادی ان کی پھوپھی زاد نیک اختر سے کر دی گئی۔ نیوی کی تربیتی ملازمت کے ڈیڑھ سال بعد ہی کھیل کے دوران ایک ساتھی سے جھگڑا ہو گیا، اس کی بدکلامی پر مار پیٹ ہو گئی اور ملازمت چھٹ گئی۔

انڈین نیوی کی ملازمت چھوٹنے کے بعد میاں محمد نے کچھ عرصہ گھر پر گزارا، اس کے بعد اپنے والد کے مشورے اور کوشش سے ۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو بلوچ رجمنٹ میں سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہو گئے۔ ابتدائی فوجی تربیت کراچی میں ہوئی، بعد ازاں انہیں مدراس کی مشہور چھاؤنی سینٹ تھامس ماؤنٹ کنٹونمنٹ بھیج دیا گیا، وہاں پہلے سے متعین ۱۰/۳ بلوچ رجمنٹ میں شامل ہو گئے۔ طبیعت میں اضطراب کے باوجود میاں محمد صوم و صلوٰۃ کے انتہائی پابند تھے۔ ان کو بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے والہانہ لگاؤ اور عشق تھا۔ انہیں بہت سی نعتیں یاد تھیں وہ دوستوں کی محفلوں میں نعتیں سنتے بھی تھے اور سناتے بھی تھے۔ دراز قد، خوبصورت اور دلکش خدوخال کے مالک مردانہ وجاہت کے حامل سرخ و سفید رنگت والے باریش نوجوان تھے۔ وہ بہت خوش پوش انسان تھے جو بہت دیدہ زیب اور عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے، سر پر خوبصورت پگڑی پہنتے تھے۔

۱۶ مئی ۱۹۳۷ء کا سورج اس دن بھی عام دنوں کی طرح طلوع اور غروب ہوا تھا۔ ڈیوٹی سے فارغ ہونے کے بعد مختلف عقائد و مذہب کے کچھ فوجی جوان مدراس چھاؤنی میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ایک طرف چند مسلمان سپاہی نعت رسول مقبول ﷺ سننے کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ اس وقت وہ بھی ایک نعت رسول ﷺ سننے میں محو تھے۔ ایک ہندو فوجی خوب صورت ترنم اور عقیدت سے نعت پڑھ رہا تھا، ایک سماں بندھا ہوا تھا۔ میاں محمد بھی نعت سننے میں محو تھے۔ اسی وقت ایک ڈوگرہ ہندو فوجی جو بہت متعصب تھا یہ دیکھ کر مارے تعصب کے جل کر کباب ہو رہا تھا، اس نے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر گستاخ لہجے میں اسے چپ ہونے کے لیے کہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہوئے وہ ڈوگرہ سپاہی بے لگام ہو گیا۔ نعت پڑھنے والے ہندو سے کہنے لگا ”تم ہندو دھرم کے مجرم ہو اور تمہارا یہ پاپ ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا“۔

مسلمان سپاہیوں نے ہندو ڈوگرہ سپاہی کی یہ بدزبانی سنی تو صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئے، لیکن میاں محمد یہ گستاخانہ انداز اور بدزبانی سن کر تڑپ اٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہنے لگے ”اگر تیرے ایک ہم مذہب کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی نعت سنا

کر اطمینان قلبی حاصل کرے، اور تجھے یہ بات پسند نہیں تو یہاں سے چلا جا، یہاں بیٹھ کر ایسی بکواس نہ کر۔'' یہ سن کر ڈوگرہ فوجی کہنے لگا'' میں تو بار بار ایسا ہی کہوں گا، تم سے جو ہوسکتا ہے کرلو۔'' یہ بے ہودہ جواب سن کر میاں محمد کا خون کھول اٹھا، انہوں نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس گستاخ رسول کو کہا'' آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا، ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد ذلت ناک موت سے دوچار کردے گی''۔ اس پر ڈوگرہ سپاہی نے ہرزہ سرائی جاری رکھی اور ویسا ہی تکلیف دہ اور گستاخانہ جواب دیتے ہوئے بولا'' مجھے ایسی گستاخی سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔'' یہ سن کر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے۔ وہ بھی ایک ہندو تھا، اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا'' اگر چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے گستاخی کی سرعام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہوجائے گا''۔

ہندو حوالدار نے بھی اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا'' میں چرن داس کو سمجھا دوں گا۔'' میاں محمد حوالدار کی یہ سردمُہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں آئے۔ اس کے بعد عشاء کی نماز ادا کی اور اپنے دل میں زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کیا اور دعا مانگی'' یااللہ! میں نے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو ٹھکانے لگانے کا تہیہ کرلیا ہے، مجھے حوصلہ عطا فرما اور ثابت قدم رکھ۔ میرے پروردگار! مجھے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کی فہرست میں شامل فرما کر میری قربانی کو شرف قبولیت سے نواز دے۔'' نماز ودعا سے فراغت کے بعد میاں محمد گارڈ روم میں گئے، اپنی رائفل نکالی، میگزین چڑھایا اور باہر نکل کر رسوائے زمانہ چرن داس کو للکارتے ہوئے کہا'' کم بخت اب بتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے پر میں تجھ سے باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں؟'' یہ سن کر شاتم رسول چرن داس نے بھی جو رائفل اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالتے ہوئے اپنی رائفل کا رخ میاں محمد کی طرف موڑا۔ لیکن اگلے ہی لمحے میں ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی کی گولی چرن داس کو ڈھیر کرچکی تھی، دس گولیاں اس کے جسم کے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کیے کہ اس ناپاک منہ سے تو نے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی، جب یہ یقین کرلیا کہ مردود چرن داس جہنم واصل ہوچکا ہے، تو خود جاکر اپنے

ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بعد میں بگلر سے کہا کہ وہ مسلسل بگل بجائے۔ بگل بجتے پر پلٹن جمع ہوگئی، تو غازی میاں محمد نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھجواؤ، تاکہ میں رائفل پھینک کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کردوں۔ ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا، جن کا آبائی تعلق بھی اتفاق سے آپ کے ہی علاقے سے تھا۔ گرفتاری کے بعد انگریز کمانڈنگ افسر نے ان سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ چرن داس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی، میں نے اس کو روکا، لیکن وہ باز نہ آیا تو میں نے اس کو اپنے منطقی انجام تک پہنچادیا ہے، اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔''

اگلے دن (۱۷ مئی ۱۹۳۷ء) کو غازی میاں محمد کو مقدمے کی تفتیش کے لیے پولیس کے حوالے کیا گیا۔ دس دن تک وہ پولیس کی زیر حراست رہے، اس دوران کمانڈر انچیف دہلی کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلایا جائے، شاید حکام کو یہ خدشہ تھا کہ سول عدالت میں مقدمے کا فیصلہ حکومت کی منشا کے خلاف ہوگا۔ فوجی حکام کی خواہش تھی کہ مقدمہ کے فیصلے تک غازی میاں محمد کے والدین کو کوئی اطلاع نہ دی جائے، لیکن صوبیدار ملک غلام محمد کو کسی طرح فوجی حکام کی اس سازش کا پتہ چل گیا اور وہ فوراً مدراس پہنچ گئے۔ ان کے والد صوبیدار غلام محمد اپنے عزیز بیٹے کے مقدمے کی پیروی کے لیے تلہ گنگ سے مدراس چھاؤنی جاتے رہے، وہ بتاتے ہیں کہ انگریز فوج میں شامل مسلمان فوجی جوانوں اور افسروں نے غازی میاں محمد کی بے پناہ خدمت کی اور انہیں رشک کی نگاہ سے دیکھتے۔ عدالتی چارہ جوئی اور مقدمے کی پیچیدگیوں سے نمٹنے کے لیے مدراس کے معروف مسلمان وکیل سید نور حسین شاہ کی خدمات حاصل کیں، انہوں نے بڑی دیانت داری اور فرض شناسی سے اس عظیم کام کا آغاز کیا، لیکن کیس ابھی تک ابتدائی مراحل میں تھا کہ کسی سنگ دل نے محافظ کی موجودگی میں موصوف پر چھرا گھونپ کر قاتلانہ حملہ کردیا۔ زخم کاری اور مہلک تھا، جس کی وجہ سے وہ رحلت کرگئے۔ ان کے بعد یہ مقدمہ اصغر علی ایڈووکیٹ نے اپنے ہاتھ میں لیا، انہوں نے بڑی جان فشانی اور لگن سے کیس کی تیاری میں حصہ لیا اور کبھی بھی فیس وغیرہ لینے کا مطالبہ نہ کیا۔ فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی میاں محمد کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تاکہ کیس کو مذہبی رنگ بھی نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہوجائیں، اس مقصد کے لیے انہوں نے بڑے حربے استعمال کیے، لیکن غازی میاں محمد کی جرات ایمانی اور ان کے استقلال نے

ہر موقعے پر اپنے طرز عمل اور اقبالی بیان سے تمام حربوں اور منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

۱۶ اگست کو غازی میاں محمد کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا۔ پانچ دن کارروائی ہوتی رہی، کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات قلم بند ہوئے، تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی، جرح کے دوران انہوں نے متفقہ طور پر یہ موقف اختیار کیا کہ غازی میاں محمد نے جو کچھ کیا ہے، شدت جذبات سے بے قابو ہوکر کیا ہے، لیکن غازی صاحب ہر موقعے پر اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے اور کہتے رہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، یہی میرا فرض تھا، چرن داس نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی، اس گستاخ رسول کو جہنم رسید کرکے میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ کورٹ مارشل کے دوران وکیل نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ صرف یہ کہہ دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی، کیونکہ چرن داس بھی مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لیکن غازی میاں محمد نے سختی کے ساتھ وکیل صاحب کی اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے کہا'' میری ایک جان تو کیا ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وحرمت پر نچھاور کردوں۔'' فیصلہ کرنے سے پہلے فوجی عدالت نے آخر بار ان سے قتل کی وجہ معلوم کرنا چاہی، تو انہوں نے ایک بار پھر آواز بلند کہا کہ میں اس کا اقرار کرتا ہوں اور میں نے ہی اس گستاخ رسول کو قتل کیا ہے۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ سزا سن کر میاں محمد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تاہم ان کے والد کی طرف سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی، جو مسترد ہوگئی، پھر پریوی کونسل لندن میں دائر اپیل بھی مختصر سماعت کے بعد رد کردی گئی۔ والد کی طرف سے رحم کی اپیل اس بنا پر نامنظور ہوئی کہ غازی میاں محمد تو خود بار بار اس قتل کا اعتراف کیے ہوئے ہیں۔ ایام اسیری میں غازی میاں محمد شہید کا معمول رہا کہ نماز کے علاوہ ہر وقت تلاوت قرآن کریم میں مشغول رہتے، اس دوران رمضان المبارک آیا، پُورا مہینہ انہوں نے جاگ کر عبادت کرتے ہوئے گزارا، دن رات نوافل، تلاوت قرآن اور درود شریف پڑھتے رہے۔ عید آئی تو غازی صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ یہ نماز عید، عیدگاہ میں مسلمانوں کے ساتھ اجتماع عام میں پڑھنا چاہتے ہیں۔ بڑی ردوقدح کے بعد جیل کے چند غیرت مند مسلمان فوجی افسروں کی ضمانت پر حکام نے اس کی اجازت دے دی۔

فوجی دستے کی سخت سیکورٹی میں انہیں جب باہر

لایا گیا، تو حکام نے بڑی کوشش کی کہ نماز عید کے موقع پر مسلمانوں کو غازی صاحب کی آمد کا علم نہ ہو، لیکن عید گاہ میں موجود مسلمان نمازیوں کو چند لمحے کے اندر اندر علم ہو گیا، کہ اللہ کے رسول ﷺ پر جان وتن وارنے والا غازی ان کے درمیان موجود ہے۔ غازی صاحب کی آمد کا علم ہوتے ہی جس طرح لاکھوں فرزندان اسلام نے ان کا والہانہ استقبال کیا، اس کی انتظامیہ کو بالکل توقع نہ تھی۔ غازی میاں محمد سخت پہرے میں تھے، مگر عید گاہ میں موجود ہر شخص ان کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار تھا۔

غازی صاحب کی سزائے موت کی خبر پورے ہندوستان میں مشہور ہو چکی تھی، نقص امن کا خطرہ پیدا ہونے لگا، تو غازی صاحب نے کھڑے ہو کر مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ”میرے بھائیو، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، آپس میں بھائیوں کی طرح پر امن رہو، میں پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں، مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے ناموس رسالت پر حملہ کرنے والا ایک گستاخ اپنے انجام کو پہنچا ہے، تاج دار مدینہ ﷺ کی شان اقدس میں ذرا سی توہین بھی ناقابل برداشت ہے، آئندہ بھی کوئی گستاخ یہ حرکت کرے گا تو ہزاروں عشاق اور جاں نثار اسے سبق سکھا کر بخوشی مقتل کی طرف بڑھیں گے، تمام مسلمان بھائی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری یہ قربانی قبول فرمائے، مجھ سے راضی ہو اور بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ ناچیز کی جان جیسا حقیر نذرانہ قبول ہو جائے۔“

آخری تحریر

جام شہادت نوش کرنے سے چار روز قبل سات اپریل ۱۹۳۸ء کو غازی میاں محمد نے اپنے برادر نسبتی ملک نور محمد کو ایک خط لکھا جس میں بعض وصیتیں لکھنے کے بعد تحریر کیا ”خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا، ہر حال میں صبر کا دامن تھامے رکھنا، کسی پر اپنے غم کو ظاہر مت کرنا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا دل اس قدر خوش ہے کہ جس کا اندازہ کوئی دوسرا آدمی نہیں کر سکتا۔ میری دلی آرزو یہی تھی جو اللہ نے پوری کر دی ہے۔ میں گناہوں کے سمندر میں غرق تھا کہ میرے مالک نے اپنی رحمت کے دروازے مجھ پر کھول دیے، اس مالک کی مہربانی کا ہزار ہزار شکر ادا کرتا ہوں۔“ پھر اپنی اہلیہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ”میں اللہ کی اس نیک بندی سے بہت خوش اور راضی ہوں، اس نے کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس کی خاطر اسے معافی کا خواستگار رہنا پڑے، میری شہادت پر رونے دھونے کے بجائے اپنے رب کو یاد کرے، نماز پڑھے، اپنے رب کی بندگی کرے اور میرے لیے بخشش کی دعا کرتی رہے۔“

وہ لوگ جنہوں نے آخری وقت غازی میاں محمد کی زیارت کی، ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور کی تازگی اور آنکھوں میں خمار کی چمک پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح پانچ بجے یہ عاشق رسول ﷺ سفید اجلا لباس پہنے، فخر وانبساط کے ساتھ اپنی کوٹھڑی سے تختہ دار کی جانب ہنستے مسکراتے چلتے گئے۔ اسی کیفیت میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے پھانسی کے تختے پر کھڑے ہوئے۔ وقت مقررہ پر اللہ کا نام بلند کیا، مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر کے درود شریف پڑھا، پھانسی کا پھندا چوما اور چند ثانیے پر جھول گئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف اکیس سال کے قریب تھی۔ اس طرح ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے قرار روح کو قرار آ گیا۔ مدراس شہر اور مضافات کے لاکھوں مسلمانوں نے اس عاشق رسول ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی اور انہیں لحد میں اتارا۔

پون صدی گزر گئی، مدراس کے ریلوے سٹیشن کے قریب غازی میاں محمد کی قبر موجود ہے۔

لوح مزار پر لکھا ہے: ”عاشق رسولؐ، سپاہی میاں محمد شہید، قوم اعوان، بلوچ رجمنٹ ولد صوبیدار غلام محمد اعوان سکنہ تلہ گنگ۔“

پندرہ برس پہلے ایئر مارشل ریٹائرڈ خداداد خان کی تجویز پر تلہ گنگ شہر کے معروف ترین چوک ٹریفک چوک تلہ گنگ کا نام غازی میاں محمد شہید چوک رکھا گیا تھا، لیکن اس شہر ناپرساں میں کتنے لوگ ہوں گے جو اس بستی کے بیٹے... اسلام کی غیرت وحمیت کے نشان میاں محمد کے بارے میں جانتے ہوں گے۔

☆☆☆

نظام تمدّن میں جہاد کا درجہ



”اگر دنیا میں کوئی ایسی قوت موجود ہو جو بدی کے خلاف پیہم جہاد کرتی رہے
اور تمام سرکش قوتوں کو اپنی اپنی حدود کی پابندی پر مجبور کر دے تو
نظامِ تمدن میں یہ بیاعتدالی ہرگز نظر نہ آئے کہ
آج سارا عالمِ انسانی ظالموں اور مظلوموں، آقاؤں اور غلاموں میں بٹا ہوا ہے،
اور تمام دنیا کی اخلاقی وروحانی زندگی کہیں غلامی ومظلومی کے باعث اور
کہیں غلام سازی وجفا پیشگی کے باعث تباہ وبرباد ہو رہی ہے۔“

(الجہاد فی الاسلام ۔۔۔از: سیّد مودودی)





ایک جان تو کیا، ایسی ہزاروں جانیں میرے آقا پر نثار

غازی محمد صدیق شہید (۱۹۱۴ء تا ۱۹۳۵ء) کی فداکاری کی لازوال داستان

محمود عالم صدیقی

شیخ کرم الٰہی قصور سے پندرہ میل کے فاصلے پر فیروز پور چھاؤنی کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ وہ چمڑے کی رنگائی اور پکائی کا کام کرتے تھے جو ان کا آبائی پیشہ تھا۔ ۱۹۱۴ء میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد نرینہ سے نوازا، تو بیٹے کا نام انہوں نے محمد صدیق رکھا۔ پانچ سال کی عمر میں دینی تعلیم کے لیے مسجد کے مکتب میں داخل ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ سکول سے پانچویں جماعت بھی پاس کر چکے تھے۔ بعد میں چھاؤنی کے قریب ایک اور اسکول میں زیر تعلیم رہ کر انہوں نے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کرلیا۔ اسی دوران ان کے والد شیخ کرم الٰہی بیمار ہو کر چند روزہ علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ شوہر کے انتقال کے بعد محمد صدیق کی والدہ عائشہ بی بی نے جو بڑی نیک سیرت، حوصلہ مند اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں محمد صدیق کی تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال رکھا۔ اول تو بچپن سے ہی والدین ان کی روحانی تربیت کرتے رہے۔ مزید روحانی ذوق اور سلیقہ پیدا کرنے کے لیے انہیں شیخ محمد صاحب نقشبندی کے زیر سایہ رکھا گیا، دوسرے قرآن کریم کا حفظ بھی شروع کرادیا۔ والدہ نے چھوٹی عمر سے ہی انہیں صوم وصلوٰۃ کا پابند بنادیا تھا۔ ایک دین دار ماں کی تربیت کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت اور عقیدت ان کے اندر لہو بن کر دوڑتی تھی۔ ان کے طور طریقے، انداز گفتگو، یہاں تک کہ لباس بھی سنت کے موافق ہوتا تھا۔

قصور شہر کا گستاخ رسولؐ۔ پالامل

لڑکپن کی حدود میں داخل ہوتے ہی غازی محمد صدیق کی شخصیت میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے محبت کے اوصاف شدید تر ہو چکے تھے۔ وہ ایک سچے مسلمان اور عاشق رسول ﷺ کے پیکر میں ڈھلتے جا رہے تھے، وہ اس دور میں شعور کی عمر کو پہنچے جب ان جیسے نوجوانوں کے جذبات میں طلاطم پیدا کرنے کے لیے متعصب ہندو ساہوکار اور ہندو بنیا ٹولے کی شرارتوں کا آغاز ہوگیا تھا اور انگریز حکمران ان گستاخان رسول کی پشت پناہی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ قصور کی سرزمین پر ہندو انتہا پسندوں اور انگریز آقاؤں کی پشت پناہی کے سبب ایک ہندو گستاخ رسولؐ اور اکابرین اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کرنے والے سنار پالامل کی دشنام ترازی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہ شخص جو ایک مال دار اور بااثر ہندو زرگر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مستقل گستاخیاں کرتا اور گالیاں بکتا تھا، اس کی اسلام دشمن سرگرمیاں بڑھتی جارہی تھیں اور علاقے کے مسلمانوں کے لیے یہ صورت حال برداشت کرنا مشکل ہوتا جارہا تھا۔ پالامل مسلمانوں کی کمزور معاشی حالت کا مضحکہ اڑاتا اور ارکان اسلام اور زکوٰۃ کا تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ تو اس نے یہاں تک بکواس کی ''مسلمانوں کا خدا اپنے بندوں سے زکوٰۃ کی (نعوذ باللہ) بھیک مانگتا ہے، جبکہ ان بے چاروں کو کھانے کے لیے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہے''۔ ہندوؤں اور انگریزوں کی اسلام دشمنی، مسلمانوں کی غربت محتاجی اور مسلم معاشرے کی عمومی رواداری کے سبب پالامل جیسے شاتمین رسولؐ اور ان جیسے دوسرے دشمنان اسلام کا حوصلہ دن بدن بڑھتا جارہا تھا۔ پالامل مسلمانوں کی موجودگی میں بزرگان دین اور اسلامی شعائر کے خلاف بکواس کرتا اور انہیں گالیاں دیتا تھا۔ وہ ہندوؤں کو اپنے گھر جمع کر کے نماز جیسی فرض اور مقدس عبادت کی نقلیں اتارتا اور عجیب و غریب توہین آمیز حرکتیں کر کے انہیں ہنساتا رہتا تھا، شعائر اسلامی کا مذاق اڑانا اس کا روز کا وطیرہ اور مشغلہ تھا۔ اس کی فحش کلامی، بدگوئی اور بدزبانی حد سے زیادہ بڑھتی جارہی تھی۔

لاہور کے اردو روزنامے ''انقلاب'' نے ۷ ستمبر ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں اپنے اداریے میں لکھا ''مسمی پالامل ہندو نے دین اسلام کے خلاف اپنی بے ادبیوں اور بدزبانیوں کا یہ کھلم کھلا سلسلہ شروع کررکھا ہے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء کو جب لوگ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو اس مردود نے نہ صرف نماز کا مضحکہ اڑایا، بلکہ آقائے دوجہاں سرکار مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر کیچڑ اچھالنے کی ناپاک جسارت بھی کی اور ان کی شان میں نازیبا کلمات بکے اور صریحاً گستاخی کی ہے۔'' قصور شہر اور ملحقہ علاقوں کے مسلمانوں کے علم میں جیسے جیسے اس ملعون کی ہرزہ سرائیاں آتی رہیں، عاشقان مصطفیٰ ﷺ اور اسلام کے سچے پیروکاروں میں غم وغصے کی لہر دوڑتی گئی اور پورے شہر کے مسلمانوں میں اضطراب پھیل گیا۔ مسلم معززین شہر کی باہمی مشاورت ہوئی اور محمد کلیم پیر صاحب ایڈووکیٹ نے عدالت میں استغاثہ دائر کردیا۔ مجسٹریٹ درجہ اول لاہور مسٹر ٹیل نے مقدمے کی موشگافیوں کے پیش نظر استغاثہ منظور کرتے ہوئے مقدمے کی سماعت کی۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد مجسٹریٹ مسٹر ٹیل نے اپنے فیصلہ میں لکھا: ''دونوں طرف کے فریقین کے موقف اور دلائل کی سماعت کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ملزم پالامل سنار نے واقعی توہین رسالت کی ہے جس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات مشتعل ہوئے اور معاشرے میں سخت فساد کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس لیے پالامل کو چھ ماہ قید اور دوسو روپے جرمانے کی سزا دی جارہی ہے۔'' (واضح رہے تعزیرات ہند میں مذہبی اکابرین کی اہانت کی زیادہ سے زیادہ سزا دو سال اور چند ماہ اور چند سو روپے جرمانے سے زیادہ نہیں تھی) پالامل سنار نے معمولی سزا کے اس فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کیا اور اس کے خلاف مسٹر بھنڈاری سیشن جج لاہور کی عدالت میں اپیل دائر کردی، جہاں سے اسے مقدمے کی سماعت کے بعد فیصلے تک ضمانت پر

رہا کر دیا گیا۔ مسلمان اس پر بے حد رنجیدہ ہوئے، بہت سے گھروں سے باقاعدہ آہ و بکا کی آوازیں آتی تھیں۔ مسلمان شدید کرب میں تڑپتے تھے، مگر کوئی نہیں تھا جو شاتم رسول کا منہ بند کرنے کے لیے بروئے کار آتا، جب کہ شاتم رسول پالامل جیسا گستاخ رسول ملعون قصور کی سڑکوں پر دندناتا اور بھونکتا پھر رہا تھا۔

ان ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک رات غازی محمد صدیق سوئے ہوئے تھے کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا، خواب کیا تھا، اس خواب سے ان کا مقدر جاگ اٹھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک رات نیم شب کے بعد ان کو خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گستاخ پالامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا'' یہ گستاخ تسلسل ہماری شان میں گستاخیاں کرتا چلا جا رہا ہے، جاؤ اور اس دریدہ دین کی زبان کو لگام دو۔'' اس خواب کے بعد حضور اقدس علیہ السلام کا یہ عاشق زار دل و جان سے اس مشن کو پورا کرنے کے لیے تیار ہو گیا، مگر اس کام کو

> تختہ دار پہ اس پروانہ شمع رسالت کے
> آخری الفاظ یہ تھے:
> ''میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے
> حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے
> تحفظ کے لیے کروڑوں مسلمانوں میں سے
> مجھ ناچیز کو منتخب فرمایا۔''

انجام دینے کے لیے ایک منصوبے کی ضرورت تھی، اس لیے اسلام کا یہ جانباز سپاہی کئی روز تک جوش انتقام میں پیچ و تاب کھاتا رہا اور مختلف تدبیریں سوچتا رہا۔ غازی صدیق نے جتنے دن گھر میں گزارے، گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان غم و غصے کی شدت میں اضافہ ہوتا رہا، وہ ہمہ وقت بے حال رہنے لگے، گھر کے کام کرتے مگر کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ رات دن ان کے دل میں ایک ہی جذبہ موجزن رہنے لگا کہ وہ جلد سے جلد قصور پہنچ کر سرور کائنات ﷺ کے دشمن اور گستاخ کو جہنم رسید کر کے سعادت حاصل کریں اور چین و سکون ان کا مقدر ہو۔ بالآخر ۱۰ دسمبر ۱۹۳۴ء کو غازی محمد صدیق کا ارادہ فیصلہ کن موڑ پر آ پہنچا، انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ محترمہ عائشہ بی بی سے اس متبرک خواب کا ذکر کرتے ہوئے درخواست کی کہ وہ ان کو یہ مشن مکمل کرنے کی اجازت دیں، والدہ نے جتنی آسانی سے اجازت دے دی، شاید بہت سی مائیں اس کا تصور بھی نہ کر پائیں۔ اس لیے کہ آج کی مائیں اپنے جگر گوشوں کو اپنی جان خطرے میں ڈالنے سے روکتی ہیں، غازی محمد صدیق نے ماں سے کہا کہ وہ ان کو قصور میں اپنے ماموں کے پاس جانے کی اجازت دے دیں، تاکہ وہاں جا کر اس ملعون گستاخ رسول کو ٹھکانے لگا سکیں۔ قرن اول میں ایسی ہی مائیں تھیں جو اپنے بیٹوں کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے میدانِ وغا میں اتارتی تھیں۔ غازی محمد صدیق کی والدہ اپنے بیٹے میں ایک مجاہد کا جذبہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھیں۔ وہ فصل جو انہوں نے اپنے خون جگر سے کاشت کی تھی آج ان کے سامنے لہلہا رہی تھی، اس کا بہترین مصرف یہی تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں کٹ جائے، اللہ کے پاک دین اسلام اور رسول پاک ﷺ کے ناموس کے بارے میں فدائی جذبہ رکھنے والی مومن ماں نے اپنے لخت جگر کو شاتم رسول کو جہنم رسید کرنے کی بخوشی اجازت دے دی؛ ایک دین حق کی شیدائی مومنہ ماں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور سعادت کی بات اور نہ تھی کہ ان کا بیٹا دین حق اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں جہاد کر کے اپنا فرض ادا کر کے سرخرو ہو۔ رخصت ہوتے وقت اپنی والدہ سے کہا: ''ماں دعا کرو، میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ الٰہی میری یہ کوشش قبول ہو اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر دی گئی میری یہ قربانی منظور ہو''۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور شوق و مسرت سے اسے شہادت گاہ الفت کی طرف روانہ کیا۔

ایک دین حق کی شیدائی مومنہ ماں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور سعادت کی بات اور نہ تھی کہ ان کا بیٹا دین حق اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں جہاد کر کے اپنا فرض ادا کر کے سرخرو ہو۔ رخصت ہوتے وقت اپنی والدہ سے کہا: ''ماں دعا کرو، میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ الٰہی میری یہ کوشش قبول ہو اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر دی گئی میری یہ قربانی منظور ہو''۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور شوق و مسرت سے اسے شہادت گاہ الفت کی طرف روانہ کیا۔

گستاخ رسول کی زبان بند کر دی

گھر سے روانہ ہو کر غازی محمد صدیق قصور پہنچے، اب وہ اس نابکار پالامل کی ٹوہ میں رہنے لگے۔ ایک روز وہ شام کے وقت بابا بلہے شاہ کے مزار کے قریب ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ انہیں معلوم ہوا تھا کہ پالامل اس راستے سے گزرنے والا ہے۔ اتنے میں ایک ایسا شخص وہاں سے گزرنے لگا جو اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھا۔ غازی محمد صدیق نے اس کی راہ روک کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟ پہلے تو وہ خاموش رہا اور پھر اپنا نام بتانے میں تامل کیا، لیکن غازی محمد صدیق کو تنہا دیکھ کر حوصلہ ہوا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں نے پہلے میرا کیا بگاڑ لیا ہے، اگر تو میرا نام جان گیا تو میرا کیا کر لے گا؟ اس نے جیسے ہی اپنا نام لیا، غازی محمد صدیق نے اس کو پہچان لیا، شدت جذبات سے ان کا چہرہ تمتما اٹھا، وہ آج اپنا مشن مکمل کر سکتے تھے۔ یہی وہ جہنمی گستاخ رسولؐ تھا جسے وہ ٹھکانے لگانے آئے تھے۔ غازی صدیق نے اس سے کہا: ''ملعون! میں تو اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام ہوں، کئی دنوں سے تیری تلاش میں تھا۔ تیری بدقسمتی ہے کہ تو خود چل کر میرے پاس آ گیا، تو آج تو کسی طرح بھی ذلت آمیز موت سے بچ کر نہیں جا سکتا'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے تہ بند سے اپنی رمبی (چمڑا کاٹنے کا تیز دھار آلہ) نکالی اور للکارتے ہوئے اس پر حملہ آور ہو گئے اور اس پر اس وقت تک متواتر وار کرتے رہے جب تک کہ انہیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ گستاخ واصل جہنم ہو چکا ہے۔ اس طرح غازی محمد صدیق نے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا اور گستاخ رسول کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔

عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ غازی صاحب اس وقت تک اس کی چھاتی سے نہیں اترے جب تک وہ بے حس و حرکت نہیں ہو گیا۔ ملعون کا چہرہ نہ صرف مسخ ہو گیا بلکہ ہیبت ناک شکل اختیار کر گیا تھا۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق اس کے جسم پر چالیس مہلک زخموں کے واضح نشانات تھے۔ راہ گیروں نے آپ کو دیکھ لیا، مگر کسی کو آپ کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد غازی محمد صدیق نے اس جگہ سے فرار ہونے کے بجائے سب سے پہلے اپنے لباس سے اس ملعون کا ناپاک لہو صاف کیا، اس کے بعد نہا دھو کر لباس بدلا اور قریبی مسجد میں جا کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اس کے بعد مسجد کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئے اور

ایک دین حق کی شیدائی مومنہ ماں کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت اور سعادت کی بات اور نہ تھی کہ ان کا بیٹا دین حق اور ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ میں جہاد کر کے اپنا فرض ادا کر کے سرخرو ہو۔ رخصت ہوتے وقت اپنی والدہ سے کہا: ''ماں دعا کرو، میں اس عظیم فرض کو بطریق احسن نبھا سکوں اور بارگاہ الٰہی میری یہ کوشش قبول ہو اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی خاطر دی گئی میری یہ قربانی منظور ہو''۔ اس عظیم خاتون نے اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور شوق و مسرت سے اسے شہادت گاہ الفت کی طرف روانہ کیا۔

اطمینان سے اپنی گرفتاری کے لیے پولیس کا انتظار کرنے لگے۔ اس جگہ موجود افراد کا بیان ہے کہ اگر غازی صاحب فرار ہونا چاہتے تو آسانی سے ایسا کر سکتے تھے مگر انہوں نے اپنی خوشی سے گرفتار ہونا پسند کیا۔ گرفتاری کے بعد انہوں نے پالامل کے قتل کا برملا اعتراف کیا۔ وہ بلا خوف سب کو بتاتے رہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ پالامل ہندو کو میں نے قتل کیا ہے، کیونکہ اس ملعون نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اور ہمارے مذہب اسلام کے مطابق وہ شخص مسلمان نہیں، بلکہ منافق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سن کر خاموش بیٹھا رہے اور ناموس رسول ﷺ کی اہانت کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان کی بازی نہ لگا دے۔ ایسے گستاخ کو واصل جہنم کرنا عشق نبوی ﷺ کا تقاضا ہے، اس لیے میں نے جو کچھ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے اور مجھے قطعاً کوئی ندامت یا افسوس نہیں ہے، جب تک شاہ مدینہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور تقدس کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی یہ ہوتا رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاتمین رسول ہر دور میں اللہ کے سچے بندوں اور نبی خاتم علیہ السلام سے محبت رکھنے والوں کے ہاتھوں اسی طرح جہنم واصل ہوتے رہے ہیں، ایسے دریدہ دہنوں کو جینے کی زیادہ مہلت نہیں ملی، کوئی نہ کوئی سرفروش مجاہد عشق رسالت مآب ﷺ میں سرشار ہو کر اور دار و رسن کی پروا کیے بغیر ناموس مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لیے اپنی جان کی بازی لگاتا اور اپنے آقا ﷺ کی حرمت پر قربان ہوتا رہے گا۔ گرفتاری کے بعد آپ کا مقدمہ سیشن کورٹ کے سپرد ہوا۔ غازی صدیق کی جانب سے میاں عبدالعزیز مالوڈہ اور بیرسٹر خالد لطیف گابا نے پیروی کی۔

غازی صاحب کے خلاف مقدمے کی کارروائی

سیشن کورٹ میں مقدمے کی سماعت شروع ہوئی۔ استغاثہ کی طرف سے خان قلندر علی خان اور صفائی کے لیے میاں عبدالعزیز اور شیخ خالد لطیف پیش ہوئے۔ وکلائے صفائی نے بڑی تیاری کر کے مدلل اور قانونی جامع نکات فاضل جج کے سامنے پیش کیے۔ انہوں نے کہا، غازی محمد صدیق کی مقتول سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، اس نے یہ فعل صرف اور صرف مذہبی جوش و جذبے اور عقیدت کے تحت کیا ہے، اس کا یہ بیان کہ میں بیس سال کے بعد بھی توہین رسالت کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہتا۔ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اسلامی روایات اور قرآن سنت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حرمت اللہ کے بعد دوسرے درجے پر ہے اور کوئی سچا مسلمان اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی بھی قسم کی ادنیٰ سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتا، چاہے اس کے لیے اس کی جان بھی چلی جائے۔ غازی محمد صدیق کے دل میں بھی یہی جذبہ گزشتہ اٹھارہ ماہ سے موجزن تھا جس کی وجہ سے اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا اور اپنی جان کی پروا نہیں کی۔ اس لیے کئی گزشتہ مقدمات کی مثالوں کے حوالے سے ملزم کو زیادہ سے زیادہ حبس دوم (کالے پانی) کی سزا دی جائے۔ تاہم انگریز عدالت نے اپنی روایت کے مطابق فیصلہ سنایا۔ اپنے اقبالی بیان میں غازی محمد صدیق نے کہا: ''میں نے جو کچھ کیا، خوب غور و فکر کے بعد غیرت دینی کے سبب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو برقرار رکھنے کے لیے کیا ہے۔ اس پر مجھے قطعاً تاسف یا ندامت نہیں بلکہ میں اپنے اس اقدام پر بہت خوش اور نازاں ہوں۔ عدالت زیادہ سے زیادہ جو سزا دے سکتی ہے، جب چاہے دے دے، مجھے قطعاً حزن و ملال نہ ہوگا۔ مگر جب تک ہمیں شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور تقدس کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، کوئی نہ کوئی سرفروش نوجوان اپنے لہو سے چراغ محبت جلاتا رہے گا۔ یہ تو ایک جان ہے، اس کی بات ہی کیا ہے، میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک قدم پر پوری کائنات بھی نچھاور کر ڈالوں تو میرا عقیدہ، ایمان اور عشق و وجدان یہی کہتا ہے کہ گویا ابھی حق غلامی ادا نہیں ہو سکا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، ایسی ہزاروں جانیں میرے آقا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم پر نثار ہیں۔''

آپ کی والدہ کو جب یہ علم ہو کہ بیٹے کو سزائے موت سنائی گئی ہے تو انہوں نے فرمایا ''یہ ایک بیٹا تو کیا، ایسے بیس بیٹے بھی ہوتے میں سب کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر قربان کر دیتی۔''

سیشن کورٹ سے پھانسی کے فیصلے کے بعد غازی محمد صدیق شہید کی والدہ کو اپنے جواں سال بیٹے سے چند لمحے ملاقات کی اجازت ملی، تو ان کی پیشانی چومتے ہوئے نہایت حوصلے کے ساتھ فرمایا: ''بیٹا! میں تم سے بہت خوش ہوں، جس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے تحفظ کے لیے تم قربان گاہ پر جا رہے ہو، اس محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان قائم رکھنے کے لیے مجھے تم جیسے بیس بیٹوں کی قربانی بھی دینا پڑے تو رب کعبہ کی قسم، کبھی دریغ نہ کروں۔'' سیشن کورٹ کی سزا کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ کو اپیل کی سماعت شروع ہوئی لیکن ہائی کورٹ نے بھی سیشن کورٹ کا سزائے موت کا فیصلہ برقرار رکھا۔ سزائے موت پر عمل درآمد کر دیا گیا۔ شہادت کے وقت اس خوب

> وہ بلا خوف سب کو بتاتے رہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ پالامل کو میں نے قتل کیا ہے، کیونکہ اس ملعون نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اور ہمارے مذہب اسلام کے مطابق وہ شخص مسلمان نہیں، بلکہ منافق ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین سن کر خاموش بیٹھا رہے اور ناموس رسول ﷺ کی اہانت کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان کی بازی نہ لگا دے۔

رو مجاہد غازی محمد صدیق کی عمر صرف ۲۱ سال تھی۔ اس شہید ناموس رسالت کی نماز جنازہ پریڈ گراؤنڈ میں ادا کی گئی، ایک محتاط اندازے کے مطابق اس میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ یوں غازی محمد صدیق نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کی حفاظت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ دے کر امت مسلمہ کو تا ابد سرخرو کر دیا۔ تختہ دار پہ اس پروانہ شمع رسالت کے آخری الفاظ یہ تھے:

''میرے اللہ! تیرا ہزار شکر کہ تو نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے تحفظ کے لیے کروڑوں مسلمانوں میں سے مجھ ناچیز کو منتخب فرمایا۔''





والدہ نے کہا ''بیٹا! پھانسی کا پھندا خود اپنے گلے میں ڈالنا۔''

غازی مرید حسین شہید.... گستاخ رسول کو اس کے انجام سے دوچار کرنے کی روح پرور کہانی

یہ ۱۹۳۶ء کی بات ہے ،ایک دن روزنامہ ''زمیندار'' میں ایک افسوس ناک خبر ''پلول کا گدھا'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ یہ ضلع گوڑگانواں کے ایک قصبے پلول کے جانوروں کے شفاخانے کے ملعون اور دریدہ دہن ڈاکٹر کے بارے میں تھی۔ اس کا نام رام گوپال تھا۔خبر میں بتایا گیا کہ پلول کے ہسپتال کے ایک جانور (گدھے) کا نام (نعوذ باللہ) ....کے اسم مبارک پر رکھنے کی جسارت کی ہے۔اس شرم ناک گستاخی کی خبر سن کر برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کا خون کھول اٹھا۔ احتجاجی جلسے جلوسوں اور بیانات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پورے ملک میں گستاخ رسول ﷺ کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونا شروع ہوگئی۔یہ وہ دور تھا کہ انگریز حکمرانوں کی شہ پر ہندو انتہا پسند اسلام اور مسلمانوں کو اپنی زہریلی ہفوات کا نشانہ بنائے ہوئے تھے،اسی زمانے میں راج پال، نتھو رام اور دیگر گستاخان رسول نے اپنی اسلام دشمن اور اکابرین اسلام کے خلاف سرگرمیوں سے مسلمانوں کے دل زخمی کر رکھے تھے،رام گوپال کی دریدہ دہنی سے مزید حزن و ملال کا شکار ہوگئے۔شاتم رسول کی اس اشتعال انگیز جسارت نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں مسلمانوں کے قلوب اور اذہان میں جذبات کی ایک نہ بجھنے والی آگ بھڑکا دی۔وہ گستاخ رسول کی دریدہ دہنی پر تنگ آمد بجنگ آمد کے مترادف مرنے مارنے پر تیار ہوگئے۔نقص امن کا خطرہ بڑھا،تو فرنگی حکومت نے اس ڈنگر ڈاکٹر کا تبادلہ ضلع حصار کے ایک قصبے نارکوند میں کردیا۔

غازی مرید حسین

غازی مرید حسین ۲۴ فروری ۱۹۱۴ء کو چکوال کے ایک چھوٹے سے گاؤں بھلہ تحصیل چکوال کے معزز قریش گھرانے میں پیدا ہوئے۔والد کا نام عبداللہ خان اور والدہ ماجدہ کا نام غلام عائشہ تھا۔ چودھری عبداللہ بھلہ کے نمبردار اور باوقار بزرگ تھے۔ان کو اللہ تعالیٰ

محمود عالم صدیقی

نے بڑھاپے میں اکلوتے فرزند مرید حسین سے نوازا تھا، اس لیے اپنی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کی بڑی محبت اور شفقت سے پرورش کی۔مرید حسین ابھی پانچ برس کے تھے کہ والد بزرگوار کے سائے سے محروم ہوگئے۔ والدہ بڑی نیک سیرت خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے مرحوم سرتاج کی یادگار اکلوتے اور لاڈلے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی۔ ننھے مرید حسین نے قرآن حکیم اور دوسری دینی کتب کی تدریس کے لیے جامعہ بھلہ شریف کے خطیب وامام سید محمد شاہ صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔عام تعلیم کے لیے آپ کو قریبی قصبہ کریالہ کے اینگلو سنسکرت مڈل اسکول میں داخل کرادیا گیا۔شروع ہی سے ذہین اور محنتی تھے۔مڈل اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال میں زیر تعلیم رہے۔ ۳۱-۱۹۳۰ء میں میٹرک میں شاندار کامیابی حاصل کی۔گو اعلیٰ تعلیم کا شوق تھا اور وسائل بھی رکھتے تھے،لیکن چھوٹی عمر میں ہی گھر کی ذمہ داری اور گاؤں کی نمبرداری کا بوجھ پڑ گیا،تو مجبور ہوکر سلسلہ تعلیم منقطع کرنا پڑا۔تاہم تعلیم کی کمی اچھی تربیت نے پوری کردی۔خاندانی شرافت، دینی تعلیم اور نیک سیرت ماں کی تربیت نے آپ کو اسلام کا سچا شیدائی بنادیا تھا۔ مذہب سے گہرے لگاؤ کا ہی اثر تھا کہ کسی انسان کو دکھی دیکھتے تو بے قرار ہوجاتے،خصوصاً ہندوؤں کی ستم گری اور مسلمانوں کی زبوں حالی نے آپ کو خدمت خلق کے کاموں کی طرف مائل کردیا۔تعلیم سے فارغ ہونے اور نمبرداری کی ذمے داری سنبھالنے کے بعد کم سنی میں ہی عوامی فلاح و بہبود اور خلق خدا کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔یہ غلامی کا دور تھا،نمبرداروں سے حکومت برطانیہ کے کارندے جو سلوک روا رکھتے اور ان سے جو توقعات وابستہ کرتے تھے،مرید حسین جیسا غیور مرد مومن اسے زیادہ دیر برداشت نہ کرسکا۔ویسے بھی آپ کی طبیعت دنیاوی نمود و نمائش سے گریزاں تھی؛ چنانچہ نمبرداری سسٹم کی خرابیوں سے بےزار ہوکر اس سے گلوخلاصی کرالی۔اس کے بعد یکسو ہوکر اصلاح و فلاح کی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ آپ کے ماموں ماسٹر غلام سرور صاحب اور چچازاد بھائی چودھری خیر مہدی صاحب غازی صاحب کی طبعی شرافت اور فطری نیکی کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ لڑکپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کے سخت پابند تھے اور ہمیشہ باوضو رہنے کے عادی تھے۔نماز باجماعت کی پابندی کی یہ حالت تھی کہ اللہ اکبر کی آواز کان میں پڑتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے اور خانہ خدا پہنچنے سے پہلے کہیں نہ رکتے۔کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کھانا کھا رہے ہیں اور اذان کی آواز سن کر کھانا چھوڑ دیا اور مسجد پہنچ گئے۔بھلہ سے چکوال صرف پانچ میل دور ہے۔آپ اکثر چکوال جاتے رہتے۔وہیں علامہ عنایت اللہ خان المشرقی خاکسار تحریک کی عسکریت سے متاثر ہوئے اور خاکسار بن گئے، لیکن آپ کی عشق رسالت ﷺ میں ڈوبی ہوئی روح کو یہاں بھی کماحقہ سکون میسر نہ آیا۔ روحانیت کی پیاس آپ کو خواجہ عبدالعزیز صاحب چشتی کے پاس لے گئی،ان کے دست

حق پرست پر بیعت کر کے ان کے حلقہ مریداں میں شامل ہوگئے۔ غازی صاحب کے ہاں مولانا ظفر علی خان مرحوم کے اخبار ''زمیندار'' کا مطالعہ معمول تھا۔ آپ آریہ سماج اور دوسری ہندو تحریکوں، پارٹیوں اور انجمنوں کی اسلام دشمنی کی خبریں اکثر پڑھتے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ بھلہ اور کریالہ کے متمول ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے ،آپ کی غیرت مند طبیعت، متعصب اور دریدہ دہن ہندو بنیوں سے سخت متنفر ہوگئی۔ان کی اشتعال دلانے والی سرگرمیوں سے متنفر ہو کر ہندوؤں سے ہر قسم کا تعلق منقطع کرلیا۔حتیٰ کے ان کی بسوں میں سفر کرنا بھی چھوڑ دیا، جہاں بھی جانا ہوتا، پیدل جاتے۔اس کے بعد اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر مسلمانوں کی دکانیں کھلوادیں اور مقامی مسلمانوں کی ایک انجمن بنا کر ہندوؤں کا معاشرتی بائیکاٹ کردیا۔ اس پر ہندوؤں نے جن میں بھائی پرمانند (کریالہ) جیسے بڑے بڑے سیاسی لیڈر بھی شامل تھے، سرکاری دباؤ ڈلوا کر غازی صاحب کو رام کرنے کی کوششیں کیں، لیکن غازی صاحب ذرا متاثر نہ ہوئے۔ تحریک کو جاری رکھا اور اس طرح قیام پاکستان سے بہت پہلے ہی بھلہ کریالہ میں پاکستان بنادیا۔۱۹۳۵ء میں بیس سال کی عمر میں مرید حسین کی شادی چودھری خیر مہدی نمبردار بھلہ کی بہن محترمہ امیر بانو (متوفی ۱۹۴۳ء) سے انجام پائی۔ شادی کے چند روز بعد آپ کو خواب میں جناب سرور کونین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، جس کا ذکر آپ نے بعد میں اپنے پنجابی کلام میں بھی کیا ہے۔ اس دیدار نے پاک دل و پاکباز مرید حسین کی زندگی میں عظیم انقلاب برپا کردیا۔آپ حضور پاک ﷺ کے فراق میں ہر گھڑی بے چین و بے قرار رہنے لگے۔اسی زمانے میں قدرت خداوندی نے آپ کے عشقِ رسول ﷺ کی آزمائش کا سامان پیدا کردیا۔

ڈاکٹر رام گوپال کی ناپاک گستاخی کے بارے میں غازی مرید حسین نے بھی پڑھا اور سنا،اس سے ان کی تمام سوچیں اسی ایک نکتے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں کہ جانوروں کے اس بدبخت اور ملعون ڈاکٹر کو توہین رسالت پر کیسے سخت سے سخت سزا دی جائے اور عبرت کا نشان بنایا جائے۔اپنے آقا اور مولا ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بعد غازی عبدالقیوم شہید، غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالرشید شہید جیسے عشاق رسول غازی مرید حسین کے دل و دماغ میں بسنے لگے۔وہ شروع شروع میں تو یہ سوچتے کہ ان غازیوں جیسا کوئی مجاہد اور عاشق رسول ﷺ اٹھے گا اور اس ملعون گستاخ رسول کو جہنم رسید کر کے مسلمانوں کو تسکین بہم پہنچائے گا۔وہ خود اس گستاخ ڈاکٹر سے لگ بھگ ایک ہزار کلومیٹر دور چکوال کی اس بستی میں رہتے تھے،اس لیے فطری طور پر یہی چاہتے تھے کہ خطہ حصار سے ہی کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور ناموس رسالت ﷺ پر قربان ہو کر ان متعصب ہندوؤں اور ان کی پشت پناہی کرنے والی فرنگی حکومت کو سبق سکھائے۔یوں تو غازی مرید حسین ہندوؤں کی اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی سے متنفر تو تھے ہی، لیکن رام گوپال کی تازہ دریدہ دہنی، اور شرم ناک حرکت پر ان کے دل میں نفرت کی آگ کچھ اور بھی تیزی سے بھڑک اٹھی۔اب ان کو کسی پل قرار نہ آرہا تھا۔

ایک روز اٹھے اور اپنی والدہ سے سفر کی اجازت طلب کی اور کہا''اماں!ایک اہم اور ضروری کام پر جارہا ہوں، آپ کی اجازت اور دعا کی ضرورت ہے۔'' والدہ نے بخوشی اجازت دے کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کردیا۔ بھیرہ پہنچ کر برادر نسبتی کو خط لکھا کہ میں انتہائی اہم کام کے سلسلے میں گھر سے دور جارہا ہوں، میری غیر موجودگی میں سب کچھ اللہ اور تمہارے سپرد کررہا ہوں۔

بھیرہ سے ہی ایک دو دھاری خنجر خریدا، یہاں سے چاچڑ اپنے مرشد کے ہاں گئے، مدعا عرض کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئیں، شیخ نے اپنے مرید کو گلے لگا کر رخصت کیا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو محسوس کیا اور دعا دیتے ہوئے کہا''بسلامت روی و باز آئی''۔چاچڑ سے واپس گھر پہنچے، پھر سیدھے چکوال گئے اور اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے۔وہ عجیب مقام پر کھڑے تھے، ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سیکڑوں کنال اراضی اور اس پر لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان تھا، عقل سوچتی رہ گئی، مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا، جب وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے، تو اب پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہوگئے۔چکوال سے لاہور وہاں سے دہلی اور وہاں سے حصار گئے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال ایک ماہ کی چھٹی پر پشاور چلا گیا ہے، مرید حسین پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے، یہاں آ کر معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ وہ بدبخت پشاور سے واپس نارنوند جاچکا ہے۔

رام گوپال کے تعاقب میں

۶ اگست ۱۹۳۶ء کو مرید حسین اس کا تعاقب کرتے ہوئے دوبارہ حصار پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے اس بستی پہنچے اور پھر اس ہسپتال میں پہنچ گئے جہاں یہ رسوائے زمانہ ڈاکٹر متعین تھا۔اسے بالکل پاس جا کر غور سے دیکھا ،خواب میں رسول اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے حلیے کے ہو بہو مطابق پا کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔اس کے بعد ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی، حالات کا بغور جائزہ لیا، پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔گاؤں کی مسجد پہنچے،ایک مسافر کی حیثیت سے نماز ظہر ادا کی اور بارگاہ رب العزت میں دعا مانگی''یااللہ، میرے جیسے نحیف اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سیکڑوں میل دور کافروں کی اس بستی نارنوند میں اپنی رحمت اور فضل سے نواز، تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جس مقصد کے لیے کھینچ لائی ہے، اس میں مجھے کامیابی و کامرانی عطا فرما کر سرخرو فرما......'' اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی،ڈاکٹر رام گوپال کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی، مرید حسین نے جیسے ہی صحن میں قدم رکھا تو دیکھا، رام گوپال درختوں کے گھنے سائے میں سو رہا ہے۔یہی موذی تھا جس نے توہین رسالت کا ارتکاب کر کے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں،قریب ہی دوسری چارپائی پر اس معلون کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی، بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے،ہسپتال کا تمام عملہ ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھا۔

موذی کا خاتمہ

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف و خطر نعرہ تکبیر...اللہ اکبر بلند کیا، پھر اس گستاخ رسول ڈاکٹر کو مخاطب کرتے ہوئے پکارا:''او گستاخ زمانہ کافر! اُٹھ، آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانہ تیرا کام تمام کرنے آگیا ہے''۔ بیوی نے بھی شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' رام گوپال، جلدی اٹھ کوئی مسلم آگیا ہے۔'' رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنجالتا ہوا اٹھا۔ بیوی اور نوکر چاکر، دیگر افراد مرید حسین کو پکڑنے کے لیے لپکے، مگر اس نے پہلے ہی لمحے میں بڑی تیزی اور جرأت کے ساتھ خنجر اس دشمن اسلام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑام سے ایسا گرا کے پھر نہ اٹھ سکا۔ڈاکٹر رام گوپال مضبوط جسم کا مالک تھا، لیکن دبلے پتلے عاشق رسول ﷺ نے ایک ہی وار سے اس گستاخ کا تکبر مٹی میں ملادیا۔اس طرح ثابت ہوگیا کہ جسمانی طاقت ہی سب کچھ نہیں ہوتی ۔مرید حسین نے گستاخ رسول کو ٹھکانے لگانے کے بعد خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگادی۔ پولیس نے پہنچ کر تالاب کو گھیرے میں لے لیا، غازی مرید حسین نے پولیس والوں سے پوچھا'' تم میں کوئی مسلمان ہے؟'' اتفاق

سے مقامی تھانے دار مسٹر احمد شاہ کھوٹ تھا، اس نے کہا" میں مسلمان ہوں۔" غازی مرید حسین نے تالاب سے باہر آ کر خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا" میرا نام مرید حسین ہے، میں نے ہی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہو کر اس ڈاکو کو قتل کیا ہے جس نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کر ان کا امن و سکون لوٹ لیا تھا۔" غازی مرید حسین نے خود ہی گرفتاری پیش کی اور رام گوپال کے قتل کا اعتراف بھی کر لیا تھا، مگر پھر بھی پولیس کے تفتیشی اہل کار دوران تفتیش ان سے سوال جواب کرتے رہے۔ تفتیشی اہل کار نے جب یہ پوچھا کہ تمہیں مقتول کا حلیہ کیسے معلوم ہوا، کس نے تمہیں بتایا کہ یہی رام گوپال ہے۔ مرید حسین نے ایک سرشاری سے جواب دیا:

"جس عظیم ذات نے مجھے اس کی شناخت کروائی، ان کے حضور تم تو کیا تمہارے خیال کا بھی گزر نہیں ہو سکتا۔ رام گوپال نے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے مجھے چن لیا۔ میری قسمت جاگ اٹھی اور خواب میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس گستاخ کی صورت مجھے دکھائی اور میں جاگا، تو اس کا حلیہ میرے دماغ میں محفوظ ہو چکا تھا۔ اب میں اسے ختم کر چکا ہوں۔ یہ میرے ہنسنے اور ہندوؤں کے رونے کا وقت ہے۔

ادھر اخبارات سے یہ خبر چکوال بھی پہنچ گئی، غازی مرید حسین کی گرفتاری کی اطلاع پاتے ہی مرید حسین کی والدہ، بھائی اور چودھری محمد بخش وغیرہ حصار پہنچے اور ۱۲ اگست ۱۹۳۶ء کو حصار ڈسٹرکٹ جیل میں جا کر غازی مرید حسین سے ملاقات کی۔ مرید حسین نے انہیں دیکھتے ہی کہا" آپ کو مبارک ہو، وہ اہم کام جس کا میں ذکر کیا کرتا تھا، وہ خدا کے فضل و کرم سے ہو گیا ہے، اب مجھے کسی چیز کی فکر نہیں۔" ان کے یہ رشتے دار لاہور" زمیندار" اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان سے ملے تھے اور حصار کے ایک مشہور وکیل جلال الدین قریشی کے نام ان کا ایک خط لے گئے تھے۔ تاہم غازی مرید حسین نے کہا" مجھے وکیل کی کوئی ضرورت نہیں، میرا وکیل اللہ تعالیٰ ہے۔"

مقدمے کی کارروائی

غازی مرید حسین کے عزیز جلال الدین قریشی صاحب سے وکالت کے سلسلے میں گفتگو کی، مگر وہ اگر مگر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اپنی انتہائی مصروفیات کی بنا پر میں اس مقدمے کی پیروی نہیں کر سکتا۔ اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب وہاں تشریف لائے۔ قریشی صاحب ان سے مرید حسین کے رشتے داروں کا ان سے تعارف کراتے ہوئے کہا، مولانا یہ لوگ چکوال سے آئے ہیں اور اس بدقسمت ملزم کے لواحقین ہیں، جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آ گئے اور فرمانے لگے" جلال الدین! بدقسمت آپ ہیں، بدقسمت میں ہوں، بدقسمت ہمارا سارا علاقہ ہے، بدقسمت تو ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں، جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا، بدقسمت تو ہم ہیں، رہے یہ لوگ تو ان کی خوش قسمتی میں کسے کلام ہو سکتا ہے جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سیکڑوں میل دور چکوال کے علاقے سے آ کر ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا حق ادا کر دیا۔ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کو حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا ڈالے؟" مولانا نے تو یہ کہا اور چلے گئے، ان کے جانے کے بعد قریشی صاحب نے بتایا کہ وہ سرسہ کے ممتاز عالم دین تھے، جو انتخابی سلسلے میں ان سے بات چیت کرنے آئے تھے، مولانا کی اس سرزنش اور گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریشی صاحب بلا معاوضہ مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ عدیم الفرصتی کا بہانہ کر رہے تھے، معاوضے کے بغیر اس کیس کی پیروی کو سعادت سمجھتے ہوئے تیار ہو گئے۔ ان کے علاوہ چند دوسرے وکلاء بھی ان کی رضاکارانہ معاونت کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے وکلاء کا کہنا تھا کہ مرید حسین وقت کے قانون اور اس کی روایتی خامیوں کا فائدہ اٹھا کر جان بچا سکتے ہیں۔ تاہم مرید حسین نے ایک جھوٹا بیان دے کر خود کو بچانے کی بجائے اللہ کی راہ میں جان دینے کو ترجیح دی۔

سزا کا اعلان اور اپیل

حصار کی ضلع کچہری میں مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت نامی ہندو کی عدالت میں اس مقدمے کی سماعت شروع ہوئی، ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن کے سپرد کر دیا۔ پہلے دن مقدمے کی کارروائی جاری تھی کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ غازی مرید حسین نے کہا:" جج صاحب، مجھے خالق کائنات کی عدالت میں حاضری دینا ہے"؛ چنانچہ ان کی بات مان لی گئی اور برسر عدالت ہی بندوبست کر دیا گیا اور عین عدالت کے کمرے میں انہوں نے نماز ادا کی۔ آئندہ جب بھی سماعت ہوتی بروقت نماز کا خود بخود انتظام کر دیا جاتا رہا، غازی صاحب نماز سے فارغ ہوتے تو مقدمے کی کارروائی دوبارہ شروع کر دی جاتی۔ چند روز کی مسلسل سماعت کے بعد مرید حسین نے جج کے سامنے اپنے عمل کا اعتراف کر کے جج کے لیے فیصلہ سنانا آسان کر دیا، اس نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا:" مرید حسین، میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں"۔ وکلاء کی جانب سے ایک درخواست دائر کرنے کے نتیجے میں مقدمے کی سماعت دوبارہ ہوئی، مگر سزائے موت برقرار رہی، اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی اس عدالت نے بھی اپیل خارج کرتے ہوئے سزائے موت بحال رکھی۔

یوم شہادت

جیل کا زمانہ غازی مرید حسین نے نماز اور یاد الٰہی میں گزارا۔ مرید حسین جب سزائے موت کی کوٹھڑی میں تھے، ان کے سچے اور حقیقی جذبات سے متاثر ہو کر ایک غیر مسلم قیدی نے اسلام قبول کر لیا۔ غازی مرید حسین نے اس کا نام غلام رسول رکھا۔ آخری ملاقات کے موقعے پر والدہ نے مرید حسین سے کہا، بیٹا تم پھانسی کا پھندا خود اپنے گلے میں ڈالنا، تاکہ کوئی بھنگی وغیرہ ناپاک ہاتھوں سے نہ ڈالے۔ غازی صاحب نے کہا، ماں جی ٹھیک ہے۔ آخر کار ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ء جمعۃ المبارک کی وہ صبح آ گئی، جس صبح کے غازی مرید حسین بڑی شدت سے منتظر تھے۔ اس دن جیل سے باہر مسلمانوں کا ایک جم غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جام شہادت نوش کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ شہادت کا وقت آیا تو غازی مرید حسین درود شریف پڑھ رہے تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ نے کہا، زبان کو حرکت نہ دیں۔ انہوں نے کہا، میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔ ایک خفیف سے جھٹکے اور یادگار مسکراہٹ کے ساتھ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی جست سے طویل سفر لمحوں میں طے ہو گیا۔ غازی مرید حسین شہید ہو کر آنے والی نسل کے لیے حقیقی عشق کی ایک لافانی مثال چھوڑ گئے۔ انگریز عدالت اور جیل انتظامیہ کے ہاتھ کچھ نہ آیا... کہ غازی مرید حسین تو شہید ہو کر اگلی دنیا میں شہداء کی صفوں میں کھڑے حیات جاودانی اور رضائے حق کی لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

☆☆☆



حضور اکرمؐ پر طعن کے لیے کھلنے والی زبان کا کٹ جانا ضروری ہے

گستاخ رسول کو قتل نہ کیا جائے تو اسلامی معاشرہ فساد کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وتوقیر مسلمان کے ایمان کا بنیادی جزو ہے اور علمائے اسلام دور صحابہؓ سے لے کر آج تک اس بات پر متفق رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا آخرت میں سخت عذاب کا سامنا کرنے کے علاوہ اس دنیا میں بھی قابل گردن زدنی ہے۔ خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعے پر اپنے اور اسلام کے بے شمار دشمنوں کو معاف فرمادینے کے ساتھ ساتھ ان چند بدبختوں کے بارے میں جو نظم ونثر میں آپ کی ہجو اور گستاخی کیا کرتے تھے، فرمایا تھا: اگر وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے بھی ملیں تو انہیں واصل جہنم کیا جائے۔ یہ حکم (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی انتقام پسندی کی وجہ سے نہ تھا کہ آپؐ کے بارے میں تو حضرت عائشہؓ اور صحابہ کرامؓ کی شہادت موجود ہے کہ آپؐ نے کبھی بھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا، بلکہ یہ اس وجہ سے تھا کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے دلوں سے عظمت وتوقیر رسولؐ گھٹانے کی کوشش کرتا اور ان میں کفر ونفاق کے بیج بوتا ہے، اس لیے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تہذیب وشرافت سے برداشت کرلینا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا اور دوسروں کے ایمان چھن جانے کا راستہ ہموار کرنے کے مترادف ہے۔ نیز ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر زمانے کے مسلمان معاشرے کا مرکز ومحور ہیں، اس لیے جو زبان آپؐ پر طعن کے لیے کھلتی ہے، اگر اسے کاٹا نہ جائے اور جو قلم آپ کی گستاخی کے لیے اٹھتا ہے اگر اسے توڑا نہ جائے تو اسلامی معاشرہ اعتقادی اور عملی فساد کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) نازیبا الفاظ کہنے والا امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ کے الفاظ میں ساری امت کو گالی دینے والا ہے اور وہ ہمارے ایمان کی جڑ کو کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے نہیں، بلکہ مسلمانوں کا ایمان اور غیرت بچانے کے لیے ہجو نگاروں کی گستاخیوں کی پاداش میں ان کا قتل روا رکھا۔ ان میں سے ایک ملعون کا نام ابن خطل تھا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سینیٹر پروفیسر ساجد میر
(امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان)

کی شان کے خلاف شعر کہتا اور اس کی دو لونڈیاں یہ غلیظ شعر اس کو گا گا کے سناتی تھیں۔ فتح مکہ کے دن وہ حرم مکہ میں پناہ گزیں تھا۔ ابو برزہؓ صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسے وہیں جہنم رسید کردیا۔

عام طور پر غزوات اور جنگوں میں آپؐ کا حکم ہوتا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، لیکن توہین رسولؐ اسلامی شریعت میں اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کی مرتکب عورت بھی قابل معافی نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ابن خطل کی مذکورہ دو لونڈیوں کے علاوہ دو اور عورتوں کے بارے میں بھی جو آپؐ کے حق میں بدزبانی کی مرتکب تھیں، قتل کا حکم جاری فرمایا تھا۔ اس طرح مدینہ میں ایک نابینا صحابی کی ایک چہیتی اور خدمت گزار لونڈی جس سے ان کے بقول ان کے موتیوں جیسے دو بیٹے بھی تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بدزبانی کا ارتکاب کیا کرتی تھی۔ یہ نابینا صحابی اسے منع کرتے، مگر وہ باز نہ آتی۔ ایک شب وہ بدزبانی کررہی تھی کہ انہوں نے اس کا پیٹ چاک کردیا۔ جب یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا لوگو! گواہ رہو، اس خون کا کوئی تاوان یا بدلہ نہیں ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

جب حضرت عمرؓ نے گستاخ رسولؐ کے نابینا قاتل کے بارے میں پیار سے کہا، دیکھو اس نابینا نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا، اسے اعمیٰ (نابینا) نہ کہو، بصیر وبینا کہو کہ اس کی بصیرت وغیرت ایمانی زندہ وتابندہ ہے۔ ایک اور گستاخ ملعونہ عصماء بنت مروان کو اس کے ایک اپنے رشتے دار غیرت مند صحابی نے قتل کیا، تو آپؐ نے فرمایا لوگو! اگر تم کسی ایسے شخص کی زیارت کرنا چاہتے ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نصرت و امداد کرنے والا ہے تو میرے اس جاں نثار کو دیکھ لو۔ یہ غیرت مند صحابی عمیر بن عدیؓ جب اس ملعونہ کے قتل سے فارغ ہوئے تو ان کے قبیلے کے بعض سرکردہ افراد نے ان سے پوچھا تھا کہ تم نے یہ قتل کیا ہے؟ انہوں نے بلا تامل کہا، ہاں اور اگر تم سب گستاخی کا وہ جرم کرو جو اس نے کیا تھا تو تم سب کو بھی قتل کردوں گا۔ (الصارم المسلول لابن تیمیہ)

ایک اور شاتم رسولؐ ملعون یہودی ابورافع کو اس کی بدگوئی کی سزا دینے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیکؓ کی سرکردگی میں ایک گروپ بھیجا۔ یہ ملعون ایک محفوظ قلعے میں رہتا تھا، مگر عبداللہ بن عتیکؓ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کے سر پر جا پہنچے اور اسے واصل جہنم کیا۔ جلدی میں واپسی کے لیے مڑے تو ایک سیڑھی سے گر کر ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اسے اپنے عمامے سے باندھا اور قلعے کے دروازے سے باہر نکل

آئے، مگر انتہائی تکلیف کے باوجود وہیں بیٹھ کر اپنے مشن کی تکمیل کی خوش خبری ملنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب ابورافع کی موت کا اعلان سنا اور اطمینان ہوا، تو واپس خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری بات سن کر ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر دست شفقت پھیرا تو وہ اس طرح درست ہوگئی جیسے کبھی ٹوٹی نہ تھی۔ (بخاری)

کعب بن اشرف بھی ایسا ہی ایک بد بخت یہودی تھا جو مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا، اس کو آپ کی اجازت اور حکم سے محمد بن مسلمہ نے قتل کیا۔ (بخاری ومسلم) جب یہودیوں نے کعب کے قتل کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، اس نے جو تکلیف دہ گستاخیاں کی تھیں، اگر تم میں سے کوئی اور کرے گا تو اس کی بھی یہی سزا ہوگی۔ عہد نبوی میں شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیانک انجام کی ان متعدد مثالوں کے پیش نظر ہر دور کے مسلمان علماء کا فتویٰ یہی رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ موجودہ حالات میں بھی عالم اسلام کے عالمی وروحانی مرکز سعودی عرب کے مفتی اعظم کے علاوہ متعدد مسلمان ملکوں کے عالی مرتبت علماء نے بھی شاتم رسولؐ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتم معاشرے میں اپنی گندگی پھیلا چکے تو قتل کے سوا ان کا کوئی علاج نہیں ہے۔ سچی توبہ کرنے سے گستاخ رسول آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیا میں بہرحال اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا ہی پڑیں گے۔

یہ کس قدر افسوس ناک، غم ناک اور شرم ناک بات ہے کہ پاکستان میں توہین رسالت کی مجرمہ سے صدر آصف علی زرداری کے کہنے پر گورنر پنجاب نے جیل میں ملاقات کی اور اس سے رحم کی اپیل پر انگوٹھا لگوایا، حالانکہ کہنے کو دونوں مسلمان ہیں اور صدر اور گورنر کسی کو بھی پاکستان کی بیٹی عافیہ صدیقی کی رہائی کے لیے کوشش کرنے کی جسارت نہ ہوئی، مگر وہ ایک گستاخ رسول کے لیے اتنے بے تاب کیوں ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی سے مسلم امہ کی دل آزاری ہوتی ہے اور ان کے دل زخمی ہوتے ہیں، اس گستاخانہ اور ناپاک جسارت کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہیں۔ مسلمان جس کے پیروکار ہیں وہ امن کے داعی، عدل وانصاف کے پیام بر، اقلیتوں کے محافظ اور انسانیت کے محسن ہیں۔ آج امریکہ جو دنیا کا تھانے دار بنا ہوا اس کا حال یہ ہے کہ وہ رسول اکرمؐ کے گستاخ کو پناہ دینے کے لیے پیشکش کر رہا ہے۔ اگر برطانیہ اور امریکہ میں آزادی تحریر اور تقریر کے باوجود ملک اور اس کے آئین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملکہ کی توہین جرم ہے، روس میں لینن کو گالی دینا قابل تعزیر رہا ہے، تو ہمیں اپنے آقا علیہ السلام کی توہین کے جرم کی سزا کے ببانگ دہل اعلان سے کون روک سکتا ہے، ہماری متاع ایمان کی بقا کی ضمانت ہی نبی کریم کی ذات والا سے محبت اور آپ ﷺ کی عظمت وتوقیر ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان ناموس رسالت کے تحفظ کے لیے مرمٹنے کا جذبہ رکھتا ہے، بعض لوگوں کے لیے شاید یہ امر باعث حیرت ہو کہ اسلام نے بڑے بڑے گناہ گار کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا، پھر شاتم رسول توبہ کے باوجود کم از کم دنیاوی سزا سے کیوں نہیں بچ سکتا؟ امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ نے اس موضوع پر اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں خوب روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاتم کی توبہ اسے قتل کی سزا سے نہیں بچا سکتی، جب کہ امام شافعیؒ سے اس سلسلے میں توبہ کے قبول وعدم قبول کے دونوں قول منقول ہیں۔ خود امام ابن تیمیہ اکثر محدثین وفقہاء کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم توبہ کے باوجود قتل کی سزا کا مستحق ہے، انہوں نے اس سلسلے میں اپنی کتاب کے مختلف مقامات پر جو زوردار دلائل دیے ہیں، ان کا خلاصہ اور وضاحت حسب ذیل ہے:

۱۔ شاتم رسولؐ فساد فی الارض کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کی توبہ سے اس بگاڑ اور فساد کی تلافی اور ازالہ نہیں ہوتا جو اس نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے۔

۲۔ اگر توبہ کی وجہ سے سزا نہ دی جائے تو اسے اور دوسرے بدبختوں کو جرأت ہوگی کہ وہ جب چاہیں توہین رسول کا ارتکاب کریں اور جب چاہیں توبہ کر کے اس کی سزا سے بچ جائیں۔ اس طرح غیروں کو موقع ملے گا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت ایمان کو بازیچہ اطفال بنالیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کے جرم کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی۔ حقوق اللہ کو اللہ چاہے تو خود معاف کر دیتا ہے، مگر حقوق العباد میں زیادتی اس وقت تک معاف نہیں ہوتی جب تک متعلقہ مظلوم اسے معاف نہ کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں اگر کسی کا یہ جرم معاف کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، مگر اب اس کی کوئی صورت نہیں۔ امت مسلمہ یا مسلمان حاکم آپ کی طرف سے اس جرم کو معاف کرنے کا حق نہیں رکھتے۔

۴۔ قتل، زنا، سرقہ جیسے جرائم کے بارے میں بھی اصول یہی ہے کہ ان کا مجرم سچی توبہ کرنے سے آخرت کی سزا سے بچ سکتا ہے، مگر دنیاوی سزا سے نہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ قاتل، زانی یا چور گرفتار ہو جائے اور کہے کہ میں نے جرم تو کیا تھا، مگر اب توبہ کر لی ہے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اسی طرح شاتم رسول بھی ارتکاب جرم کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو دنیاوی سزا سے نہیں بچ سکتا، اس کا جرم مذکورہ جرائم سے بدتر اور زیادہ سنگین ہے۔ ان دلائل کے پیش نظر درست یہی ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے اور اس کی سچی یا جھوٹی توبہ اسے اس سزا سے نہیں بچا سکتی۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کو مغرب اور اس کی نام نہاد تہذیبی اقدار سے مرعوب ہو کر اپنے موقف میں کسی طرح کی لچک پیدا نہیں کرنی چاہیے۔

گستاخ رسولؐ ام ولد کا قتل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک نابینا شخص کی ایک ام ولد لونڈی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی، وہ اسے منع کرتا تھا مگر وہ گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی، وہ اسے جھڑکتا تھا مگر وہ نہ رکتی تھی۔ ایک رات اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینا شروع کیں، اس نے ایک بھالا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دیا اور اسے زور سے دبا دیا جس سے وہ مرگئی۔ صبح اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا، میں اس آدمی کو قسم دیتا ہوں جس نے کیا، جو کچھ کیا، میرا اس پر حق ہے کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر ایک نابینا صحابی کھڑے ہو گئے۔ اضطراب کی کیفیت میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے، وہاں آکر کہا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے منع کرتا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دینے سے باز نہیں آتی تھی۔ میں اسے جھڑکتا تھا مگر وہ اس کی پروا نہیں کرتی تھی، اس کے بطن سے میرے دو ہیروں جیسے بیٹے ہیں اور وہ میری رفیقہ حیات تھی، گزشتہ رات جب وہ آپ کو گالیاں دینے لگی، تو میں نے بھالا لے کر اس کے پیٹ میں پیوست کر دیا، میں نے زور سے اسے دبایا، یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری گفتگو سننے کے بعد فرمایا "تم گواہ رہو، اس کا خون ہدر (یعنی رائیگاں) ہے۔" (ابوداود، الحدود، باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نسائی، تحریم الدم، باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سبّ نبيا قتل، ومن سب اصحابه جلد. (رواه الطبرانی

الصغیر صفحہ ۲۳۹ جلد اول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، اسے قتل کیا جائے اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی دی اسے کوڑے مارے جائیں۔''

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: کنت عند ابی بکر رضی اللہ عنہ، فتغیظ علیٰ رجل، فاشتد علیہ، فقلت ائذن لی یا خلیفة رسول اللہ اضرب عنقه قال :فاذھبت کلمتی غضبه، فقام فدخل، فارسل الی فقال ما الذی قلت آنفا؟ قلت ائذن لی اضرب عنقه، قال: اکنت فاعلا لو امرتک؟ قلت :نعم قال :لا واللہ ما کانت لبشر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ ابوداود، کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

''میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے تو وہ بھی جواباً بدکلامی کرنے لگا۔ میں نے عرض کیا، اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! مجھے اجازت دیں۔ میں اس کی گردن اڑادوں۔ میرے ان الفاظ کو سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سارا غصہ ختم ہو گیا۔ آپؓ وہاں سے کھڑے ہوئے اور گھر چلے گئے۔ گھر جا کر مجھے بلوایا اور فرمانے لگے، ابھی تھوڑی دیر پہلے تم نے مجھے کیا کہا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ مجھے اجازت دیں، میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اگر میں تم کو حکم دے دیتا۔ تو تم یہ کام کرتے؟ میں نے عرض کیا، اگر آپ رضی اللہ عنہ حکم فرماتے تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دیتا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نہیں۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کسی کے لیے نہیں کہ اس سے بدکلامی کرنے والے کی گردن اڑا دی جائے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کی ہی گردن اڑائی جائے گی۔

عصماء بنت مروان کا قتل:

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ھجت امراة من خطمة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال :من لی بھا؟ فقال رجل من قومھا :انا یا رسول اللہ، فنھض فقتلھا فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال :(لا ینتطح فیھا عنزان) الصارم المسلول ۱۲۹)

خطمہ قبیلے کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عورت سے کون نمٹے گا۔ اس کی قوم کے ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کام میں سرانجام دوں گا، چنانچہ اس نے جا کر اسے قتل کر دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہ ٹکرائیں؛ یعنی اس عورت کا خون رائیگاں ہے اور اس کے معاملے میں کوئی دو آپس میں نہ ٹکرائیں۔ بعض مورخین نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

عصماء بنت مروان بنی امیہ بن زید کے خاندان سے تھی، وہ یزید بن زید بن حصن الخطمی کی بیوی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیا کرتی۔ اسلام میں عیب نکالتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو اکساتی تھی۔ عمیر بن عدی الخطمی کو جب اس عورت کی ان باتوں اور اشتعال انگیزی کا علم ہوا، تو کہنے لگا، اے اللہ میں تیری بارگاہ میں نذر مانتا ہوں، اگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ لوٹا دیا تو میں اسے ضرور قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدر میں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو عمیر بن عدی آدھی رات کے وقت اس عورت کے گھر میں داخل ہوئے۔ تو اس کے بچے اردگرد سوئے ہوئے تھے۔ ایک بچہ اس کے سینے پر تھا جسے وہ دودھ پلا رہی تھی۔ عمیر نے اپنے ہاتھ سے عورت کو ٹٹولا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عورت اپنے اس بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ عمیر نے بچے کو اس سے الگ کر دیا۔ پھر اپنی تلوار کو اس کے سینے پر رکھ کر اسے زور سے دبایا کہ وہ تلوار اس کی پشت سے پار ہو گئی۔ پھر نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو عمیر کی طرف دیکھ کر فرمایا'' کیا تم نے بنت مروان کو قتل کیا ہے؟'' کہنے لگے۔ جی ہاں، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عمیر کو اس بات سے ذرا ڈر سا لگا کہ کہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف تو قتل نہیں کیا۔ کہنے لگے'' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس معاملے کی وجہ سے مجھ پر کوئی چیز واجب ہے؟ فرمایا دو بکریاں اس میں سینگوں سے نہ ٹکرائیں۔ پس یہ کلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی مرتبہ سنا گیا۔ عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اردگرد دیکھا، پھر فرمایا، تم ایسے شخص کو دیکھنا پسند کرتے ہو جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔ (الصارم المسلول ۱۳۰)

ابوعفک یہودی کا قتل

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مورخین کے حوالے سے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوعفک یہودی کا قصہ بیان کرتے ہیں:(ان شیخا من بنی عمرو بن عوف یقال له ابو عفک و کان شیخا کبیرا قد بلغ عشرین ومائة سنة حین قدم النبی صلی اللہ علیه وسلم المدینة، کان یحرض علیٰ عداوة النبی صلی اللہ علیه وسلم، ولم یدخل فی الاسلام، فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی بدر ظفره اللہ بما ظفره، فحسده وبغی فقال، وذکر قصیدة تتضمن ھجو النبی صلی اللہ علیه وسلم وذم من اتبعه (الصارم المسلول۔۱۳۸)

بنی عمرو بن عوف کا ایک شیخ جسے ابوعفک کہتے تھے، وہ نہایت بوڑھا آدمی تھا، اس کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یہ بوڑھا لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر بھڑکاتا تھا اور مسلمان نہیں ہوا تھا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف نکلے غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطاء فرمائی تو اس شخص نے حسد کرنا شروع کر دیا اور بغاوت و سرکشی پر اتر آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت میں ہجو کرتے ہوئے ایک قصیدہ کہا۔ اس قصیدے کو سن کر سالم بن عمیر نے نذر مان لی کہ میں ابوعفک کو قتل کروں گا یا اسے قتل کرتے ہوئے خود مرجاؤں گا۔ سالم موقعے کی تلاش میں تھے۔ موسم گرما کی ایک رات ابوعفک قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحن میں سویا ہوا تھا، سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کی طرف آئے اور اس کے جگر پر تلوار ماری جس سے وہ بستر پر پڑا چیخنے لگا۔ لوگ اس کی طرف آئے جو اس کے اس قول میں ہم خیال تھے، وہ اسے اس کے گھر لے گئے۔ اس کے بعد اسے قبر میں دفن کر دیا اور کہنے لگے اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ اللہ کی قسم اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے تو ہم اس کو ضرور قتل کر دیں گے۔

انس بن زنیم الدیلمی کی گستاخی:

انس بن زنیم الدیلمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی، اس کو قبیلہ خزاعہ کے ایک بچے نے سن لیا۔ اس نے انس پر حملہ کر دیا۔ انس نے اپنا زخم اپنی قوم کو آ کر دکھایا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ عمرو بن سالم خزاعی قبیلہ خزاعہ کے چالیس سواروں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے گیا، انہوں نے آ کر اس واقعے کا تذکرہ کیا جو انہیں پیش آیا تھا

، جب قافلہ والے فارغ ہوئے، تو انہوں نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !انس بن زنیم الدیلمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (الصارم المسلول۔۱۳۹)

ایک عورت... گستاخ رسولؐ:

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مــــن یــکــفــیــنــی عدوی؟ میری دشمن کی خبر کون لے گا؟ تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ (الصارم المسلول ۱۶۳)

گستاخ رسولؐ .. مشرک کا قتل

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :ان رجلا من المشرکین شتم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم (من یکفینی عدوی ؟) فقام الزبیر بن العوام فقال: انا فارزہ ، فاعطاہ رسولُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم سلبہ (الصارم المسلول ۱۷۷)

مشرکین میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،میرے اس دشمن کی کون خبر لے گا؟ تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سامان حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

کعب بن اشرف یہودی کا قتل

کعب بن اشرف ایک متعصب یہودی سرمایہ دار تھا، اسے اسلام سے سخت عداوت اور نفرت تھی۔ مدینہ منورہ میں بدر کی فتح کی خوش خبری پہنچی، تو کعب کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور کہنے لگا "اگر یہ خبر درست ہے کہ مکہ کے سارے سردار اور اشراف مارے جا چکے ہیں تو پھر زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔" جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو کعب بن اشرف مقتولین کی تعزیت کے لیے مکہ روانہ ہوا۔ مقتولین پر مرثیے لکھے، جن کو پڑھ کر وہ خود بھی روتا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قتال کے لیے لوگوں کو جوش دلاتا رہا۔ مدینہ واپس آ کر اس نے مسلمان عورتوں کے خلاف فحش اشعار کہنے شروع کر دیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں بھی اشعار کہے۔ کعب مسلمانوں کو مختلف طرح سے ایذائیں دیتا رہا۔ اہل مکہ نے کعب سے پوچھا کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین؟ تو اس نے جواب دیا کہ تمہارا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حرکات کی وجہ سے اس کے قتل کا پروگرام بنایا اور قتل کے لیے روانہ ہونے والے افراد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع کی قبرستان تک چھوڑنے آئے۔ چاندنی رات تھی پھر فرمایا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ :(**قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ،من لکعب بن الاشرف ، فانہ قد اذی اللہ ورسولہ ؟ فقام محمد بن مسلمة فقال :انا یا رسول اللہ اتحب ان اقتلہ ؟ قال نعم قال :فاذن لی ان اقول شیا ، قال: قل...** (رواہ البخاری کتاب المغازی باب قتل کعب بن الاشرف ، رواہ مسلم کتاب الجہاد والسیر باب قتل کعب بن الاشرف طاغوف الیھود)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف کا کام کون تمام کرے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی ہے۔ اس پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں کہ میں اسے قتل کر آؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں، مجھ کو یہ پسند ہے۔" محمد بن مسلمہ نے عرض کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ کہنے کی اجازت دے دیں، (یعنی ایسے مبہم کلمات اور ذو معنیٰ الفاظ جنہیں میں کہوں اور وہ سن کر خوش ہو جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اجازت ہے۔ محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے، آکر اس سے کہا کہ یہ شخص (اشارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا) ہم سے صدقہ مانگتا ہے، اس نے ہمیں تھکا مارا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔ جوابا کعب نے کہا "ابھی آگے دیکھنا، اللہ کی قسم! بالکل اکتا جاؤ گے۔" محمد بن مسلمہ نے کہا "چونکہ ہم نے اب ان کی اتباع کر لی ہے جب تک ہم اس کا انجام نہ دیکھ لیں اسے چھوڑنا مناسب نہیں۔ میں تم سے ایک دو وسق غلہ قرض لینے آیا ہوں۔" کعب نے کہا "میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔" محمد بن مسلمہ نے کہا "تم کیا چیز چاہتے ہو کہ میں گروی رکھ دوں؟ کعب نے کہا "اپنی عورتوں کو گروی رکھ دو۔" محمد بن مسلمہ نے کہا "تم عرب کے خوب صورت جوان ہو، تمہارے پاس ہم اپنی عورتیں کس طرح گروی رکھ سکتے ہیں؟" کعب نے کہا "پھر اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو۔"

محمد بن مسلمہ نے کہا "ہم اپنے بیٹوں کو گروی کس طرح رکھ سکتے ہیں، کل انہیں اس پر ہر کوئی گالیاں دے گا کہ آپ کو ایک دو وسق غلے کے عوض گروی رکھا گیا تھا۔ یہ ہمارے لیے بڑی عار ہوگی، البتہ ہم آپ کے پاس اپنے اسلحے کو گروی رکھ سکتے ہیں" جس پر کعب راضی ہو گیا۔ محمد بن مسلمہ نے کعب سے کہا "میں دوبارہ آؤں گا۔" دوسری دفعہ محمد بن مسلمہ کعب کے پاس رات کے وقت آئے۔ ان کے ہمراہ ابو نائلہ بھی تھے۔ یہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ پھر انہوں نے اس کے قلعے کے پاس جا کر آواز دی۔ وہ باہر آنے لگا۔ تو اس کی بیوی نے کہا "مجھے تو یہ آواز ایسی لگتی ہے جیسے اس سے خون ٹپک رہا ہے۔" کعب نے جواب دیا کہ یہ تو محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں، اگر شریف آدمی کو رات کے وقت بھی نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ نکل پڑتا ہے۔ محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ کے ہمراہ ابوعبس بن جبر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر بھی تھے۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ جب کعب آئے تو میں اس کے سر کے بال ہاتھ میں لوں گا اور اسے سونگھنے لگوں گا، جب تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میں نے اس کا سر مضبوطی سے پکڑ لیا ہے تو پھر تم اس کو قتل کر ڈالنا۔ کعب چادر لپٹے ہوئے باہر آیا۔ اس کا جسم خوشبو سے معطر تھا۔ محمد بن مسلمہ نے کہا "میں نے آج سے زیادہ عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔" کعب نے کہا "میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو عطر میں ہر وقت بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی اس کی کوئی مثال نہیں۔" محمد بن مسلمہ نے کہا "کیا مجھے تمہارے سر کو سونگھنے کی اجازت ہے؟" کعب نے کہا "اجازت ہے۔" محمد بن مسلمہ نے کعب کا سر سونگھا اس کے بعد اس کے ساتھیوں نے سونگھا، پھر انہوں نے کہا "دوبارہ سونگھنے کی اجازت ہے؟" کعب نے کہا "اجازت ہے۔" پھر جب محمد بن مسلمہ نے پوری طرح سے اسے قابو کر لیا تو اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ پھر رات کے آخری حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی فرمایا :"**افلحت الوجوہ**" یہ چہرے کامیاب ہوئے۔ انہوں نے جوابا عرض کیا :"**ووجھک یا رسول اللہ** "..سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !اس کے بعد کعب بن اشرف کا قلم کیا ہوا، سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمدللہ کہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆









عاصمہ جہانگیر...جوراج پال کی طرح رسول اکرمؐ کی دشمن ہے

توہین رسالت کی مجرمہ نے قانونِ تحفظِ رسالتؐ کے خلاف طویل اور شرم ناک جدوجہد کی

تحفظ ناموس رسالت سے کس کو تکلیف ہے، اس قانون کا پس منظر کیا ہے اور کون لوگ اس قانون کو ختم کرانا چاہتے ہیں؟ اس موضوع پر آج سے چند برس قبل لکھا جانے والا ایک ایمان افروز اور دینی غیرت وحمیت سے بھرپور مضمون ادارہ محدث نے پیش کیا۔ فاضل مضمون نگار نے اس موضوع پر متعدد مضامین لکھے، لیکن خرابی صحت کی بنا پر کسی ایک کو بھی مکمل نہ کر سکے۔ زیر نظر مضمون سپریم کورٹ بار کی موجودہ صدر عاصمہ جہانگیر کے مذموم کردار کے حوالے سے ہے، یہ مضمون اپنے موضوع پر نادر معلومات اور ایمان پرور جذبات کا بے مثال اظہار ہے۔

تعزیرات ہند میں 'الف' کا اضافہ اگر راج پال کی گستاخانہ حرکت کا نتیجہ تھا، تو تعزیرات پاکستان میں 'سی' کا ظہور راج پال کی فکری اولاد عاصمہ جہانگیر کی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں دریدہ دہنی کی وجہ سے ہوا۔ ان دونوں دفعات کے قانون کا حصہ بننے کے عمل میں کئی برس حائل ہیں، لیکن ان کے پسِ منظر میں حیران کن حد تک مماثلت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے...

تعزیرات ہند ۱۸۶۰ء کی ''دفعہ ۲۹۵'' کی رو سے کسی بھی جماعت کی عبادت گاہ کی تذلیل کے مرتکب افراد کو دو سال تک قید کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس دفعہ میں کسی جماعت کے مذہبی جذبات واعتقادات اور بانیانِ مذہب کی توہین کے متعلق وضاحت کے ساتھ ذکر موجود نہیں تھا۔ اس اِبہام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والے اور بانیانِ مذاہب کی توہین کے مرتکب افراد قانونی موشگافیوں کی بنا پر عدالتوں سے بری ہوجاتے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں بدبخت ہندو ناشر راج پال کی طرف سے نہایت گھٹیا، توہین آمیز اور بے حد دل آزار کتاب کی اشاعت پر برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، تو ملعون راج پال کی اس گستاخانہ جسارت کے خلاف ردّعمل کے نتیجے میں حکومت ہند نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ میں 'الف' کا اضافہ کیا، جس کی رو سے کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی جذبات کی بے حرمتی (تحریری یا زبانی) کے مرتکب مجرموں کے لیے دو سال تک کی سزا مقرر کی گئی۔

اس ترمیم یا اضافی دفعہ میں بھی پیغمبر اسلام کی

عطاء الحق صدیقی

توہین کے مرتکب افراد کے لیے سزائے موت کو قانون کا حصہ بنانے کے دیرینہ مطالبے کو منظور نہ کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہی قانون برقرار رہا۔

راج پال سے عاصمہ جہانگیر تک

۷ امئی ۱۹۸۶ء کو اسلام آباد میں خواتین محاذ عمل کا ایک سیمی نار منعقد ہوا۔ اس موقعے پر عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارکہ میں نازیبا الفاظ کے استعمال نے مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات کو شعلہ جوالہ بنا دیا۔ اس سے تحفظ ِناموسِ رسالت کی تحریک نے ایک دفعہ پھر زور پکڑا۔ ۱۹۸۶ء میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں 'سی' کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کی توہین کے مرتکب مجرموں کے لیے سزائے موت یا عمر قید کی سزا مقرر کی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں دریدہ دہن، بدبخت اور متعصب ہندو راج پال نے حضور اکرم علیہ السلام کے متعلق بے حد اہانت آمیز کتاب شائع کی، تو اسے لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں چھ ماہ قید کی سزا دی۔ اس کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس پر لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے راج پال ملزم کو بری کرتے ہوئے تحریر کیا: ''کتاب کی عبارت کتنی ہی ناخوش گوار کیوں نہ ہو، اس سے بہرحال کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔''

اس فیصلے نے مسلمانوں کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ مسلمانوں کے احتجاج نے تحریک کی صورت اختیار کرلی۔ 'مسلم کرانیکل' نے اس فیصلے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا: ''جج کنور دلیپ سنگھ نے قانون کی غلط تشریح کی ہے، ورنہ قانون میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ راج پال جیسے دریدہ دہن، بے غیرت، گستاخ کا منہ بند کرے، کیونکہ اس سے بڑھ کر مذہبی دل آزاری کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ اس سے دنیا کا اور بالخصوص برصغیر کا ہر مسلمان دل گرفتہ اور اپنے رسولؐ کے ناموس پر کٹ مرنے کے لیے بے چین ہے۔ اگر عدالت نے اس فیصلے پر نظر ثانی نہ کی تو کوئی مجاہد اُٹھ کھڑا ہوگا جو اس گستاخ کا سر قلم کردے گا۔'' یہ سعادت بالآخر غازی علم الدین شہید کے حصے میں آئی...

اس زمانے میں کہ جب مسلمانانِ برصغیر دشمنانِ اسلام کی گستاخانہ جسارتوں اور توہین رسالت کے واقعات کے خلاف سراپا احتجاج اور دل گرفتہ تھے۔ ان کی طرف سے پرزور مطالبہ کیا جارہا تھا کہ تعزیرات ہند میں 'توہین رسالت' کی سزا کی دفعہ بھی شامل کی جائے، ان ہی دنوں لاہور کی شاہی مسجد میں ایک عظیم اجتماع

ہوا، جس میں ایک مسلمان راہنما نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"عزیزو! میرا مشورہ ہے کہ آئندہ ایسے فتنوں کے سدباب کے لیے اس قانون ہی کو بدلوا دیں اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ کا اضافہ کر کے توہین بانیانِ مذہب کو جرم قرار دیا جائے۔ اب تک کوئی ایسی مستقل سزا آپ کے ملک کے قانون میں موجود نہیں جو اس ملک کے باشندوں کے فرقوں کی دل آزاری پر دی جا سکے۔ اس قانون کا مسودہ میں تیار کیے دیتا ہوں۔ اسمبلی کے ممبر اس میں مناسب ترمیم کر کے ایوان میں پیش کریں اور منظور کرائیں۔ توہین کو قانون میں قطعی جرم قرار دے کر اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کرنا ہوگا۔"

یہ تجویز پیش کرنے والے محمد علی جوہرؒ تھے۔

مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے احتجاج کے پیش نظر برطانوی حکومت نے قانون سازی پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ۱۹۲۷ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر مسلمان اراکین مرکزی قانون ساز اسمبلی کی تائید سے تعزیرات ہند میں دفعہ۔الف کا اضافہ کیا گیا، جس کی رو سے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کی سزا دو سال مقرر کی گئی۔ اس دفعہ میں بھی واضح طور پر انبیاء کی توہین کی بات شامل نہیں تھی۔ مسلمانوں نے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا، کیونکہ ان کے نزدیک توہین رسالت ناقابل معافی جرم ہے، جس کی سزا صرف موت ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا، لیکن کتاب وسنت کی روشنی میں توہین رسالت کے متعلق کسی قسم کی قانون سازی نہ کی گئی، اسلامی مملکت پاکستان میں بھی اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ سیکولر اور مذہب بیزار حکمرانوں نے 'رواداری اور وسعتِ ظرفی' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف ہرزہ سرائیوں پر مجرمانہ چشم پوشی کی۔

قیام پاکستان کے بعد مسلمانوں کی دل آزاری پر مبنی سرگرمیوں کا ارتکاب زیادہ تر قادیانی فرقے کی طرف سے کیا گیا۔ مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ قادیانیت کے خلاف تحریک میں حصہ لینے پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا عبدالستار نیازی کو وقت کے حکمرانوں نے سزائے موت دینے کا اعلان کیا۔ ایک اقلیتی فرقے کے خلاف 'منافرت' پھیلانے کے جرم میں مسلمانوں کے عظیم راہنماؤں کو تو موت کی سزا سنائی گئی، لیکن محسن انسانیتؐ کی توہین اور اُمت مسلمہ کی دل آزاری کے مجرم کو سزا دینے اور فرنگی قانون کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ اس طرح شرعی سزا نہ ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاتمانِ رسولؐ نے اپنی گستاخیوں کا سلسلہ جاری رکھا اور شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں نے بھی ان کی ناپاک زبانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کی روایات کو زندہ رکھا۔

ایک عیسائی مبلغ پادری سویئل نے ۱۹۶۱ء میں مغل پورہ ورکشاپ میں دورانِ تبلیغ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے، جس پر مشتعل ہو کر زاہد حسین نامی نوجوان نے اس گستاخ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ۱۹۶۴ء میں عیسائی مشنری کی مشہور دکان 'پاکستان بائبل سوسائٹی' انار کلی نے 'اثمارِ شیریں' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں توہین آمیز مواد موجود تھا۔ مسلمان نوجوانوں کے ایک گروہ نے اس دکان کو آگ لگا دی اور اس کے منیجر ہیکٹر گوہر مسیح پر قاتلانہ حملہ کیا، لیکن وہ بال بال بچ گیا۔

۱۹۸۳ء میں مشتاق راج ایڈووکیٹ نامی ایک شخص، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ قادیانی ہے، نے 'آفاقی اشتمالیت' کے نام سے کتاب تحریر کی۔ اس کتاب میں انبیائے کرام علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی اور انتہا یہ کہ حضور رسالت مآبؐ کی شانِ اقدس میں بھی گستاخانہ جسارت کی گئی تھی۔ ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس اور لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی قرارداد کے نتیجے میں حکومت نے اس کتاب کو ضبط کرنے کے احکامات جاری کیے۔ مشتاق راج کے خلاف توہین مذہب کے جرم میں زیر دفعہ ۲۹۵۔الف تعزیرات پاکستان مقدمہ درج کر لیا گیا، کیونکہ تعزیرات پاکستان میں 'توہینِ رسالت' جیسے سنگین اور انتہائی دل آزار جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔ اسی لیے مشتاق راج کی گرفتاری عمل میں نہ آئی تاہم جب نوجوانوں کے گروہ نے اس کی تلاش و جستجو شروع کر دی، تو اس کو محفوظ رکھنے کے لیے جیل بھیجنا پڑا۔ مشتاق راج کی گستاخی سے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔

تمام اسلامی مکاتبِ فکر کے علماء اور ممتاز قانون دانوں نے کانفرنس منعقد کی جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اسلام میں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت مقرر کی جائے۔ مشتاق راج کی گستاخانہ جسارت کے خلاف مسلمانوں کے جذبات ابھی گرم ہی تھے کہ عاصمہ جہانگیر کی طرف سے مئی میں پیغمبر اسلام کی شان میں سخت بے ادبی کا مذموم واقعہ پیش آیا۔

اس حیا باختہ عورت نے معلم انسانیت علیہ السلام کو (اس کے منہ میں خاک)... 'تعلیم سے نابلد' اور 'ان پڑھ'.... کہا۔ یہ ہفواتی بکواس عاصمہ نے افرنگ زدہ، آوارگی نسواں کی علم بردار عورتوں کے اسلام آباد میں منعقد کردہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کی۔ اس پر سب سے پہلے ایک مقامی وکیل نے احتجاج کیا اور کہا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے، جس پر دونوں کے درمیان تلخی ہوگئی اور جلسے کی فضا کشیدہ ہوگئی۔ عاصمہ جہانگیر اس وقت عاصمہ جیلانی کہلاتی تھی۔ اس سیاہ بخت نے محسن انسانیتؐ کے لیے جان بوجھ کر وہی الفاظ استعمال کیے جو یورپی مستشرقین اسلام اور حضور رحمتؐ کی تحقیر و اہانت کی غرض سے کرتے ہیں۔ جس سیمینار میں عاصمہ نے یہ الفاظ ادا کیے، وہ شریعت بل کی مخالفت میں ہو رہا تھا اور ظاہر ہے ایسی مخالفانہ فضا میں ان الفاظ کی کوئی دوسری تاویل یا تعبیر نہیں کی جاسکتی تھی۔ نہ ہی سیمینار کے حاضرین کے مطابق عاصمہ کی تقریر کا سیاق و سباق ایسا تھا جس میں اس کا کوئی اور مفہوم لیا جاسکتا ہو۔ اس سیمینار میں سب 'پڑھے لکھے' لوگ تھے افسوس کوئی ترکھان کا بیٹا غازی علم الدین نہ تھا جو اس گستاخ رسول زبان کو بند کرانے کے لیے عملی اقدام کر گزرتا۔ بہر حال عاصمہ کے الفاظ مسلمانوں کی سخت دل آزاری کا باعث بنے، جس پر سیمینار میں شدید ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جس طرح راج پال کے خلاف مسلمانوں کے جذبات کا لاوا بھڑک اُٹھا تھا، بالکل اسی طرح اس بدبخت عورت کی دریدہ دہنی سے پاکستان کے مسلمانوں میں اضطراب اور غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ راج پال تو ایک متعصب ہندو تھا، لیکن اب کی بار گستاخانہ جسارت کا ارتکاب ایک ایسی عورت کی طرف سے کیا گیا، تھا جو ایک قادیانی ہونے کے باوجود اپنے 'مسلمان' کہلوانے پر مصر تھی۔

عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر کا نوٹس قومی اسمبلی میں اسلامی جذبہ سے سرشار خاتون ایم این اے محترمہ آپا نثار فاطمہ نے لیا اور اُنہوں نے وہاں پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی کہ عاصمہ جہانگیر کے ان توہین آمیز الفاظ کے خلاف حکومت فوری کارروائی کرے، لیکن چونکہ اس وقت قانون میں توہین رسالت کے جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی، اسی لیے اس کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ ہو سکی۔ فدایانِ رسول عربی علیہ السلام کی جدوجہد کے سامنے حکومت نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ۱۹۸۶ء میں تعزیرات پاکستان میں ترمیم کی۔ فوجداری قوانین میں ترمیمی ایکٹ پاس کیا گیا اور دفعہ ۲۹۵۔سی کا اضافہ کیا گیا جو توہین رسالت کے جرم پر عمر قید یا موت کی سزا مقرر کرتا ہے۔ ۲۹۵۔سی کتاب وسنت پر مبنی مسلمانوں کے مطالبہ کی حرف بہ حرف تکمیل نہیں تھا، کیونکہ اس میں توہین رسالت کے جرم کی واحد سزا،

سزائے موت کے ساتھ ساتھ 'عمر قید' کو بھی بطور سزا شامل کیا گیا تھا، لہٰذا مسلمانوں کی طرف سے اس پر عدم اطمینان کا اظہار کیا گیا، لیکن دشمنانِ دین مبین پر بالعموم اور عاصمہ جہانگیر پر بالخصوص حکومت کی طرف سے یہ نیم ولانہ قانون سازی بھی بے حد شاق گزری۔ قادیانی اُمت کے ذہین دماغوں نے اس قانون کے خلاف ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مذموم پراپیگنڈے کے لیے جامع منصوبہ بندی کی اور قادیانی ذرائع ابلاغ نے اس کے 'آزادیٔ مذہب اور آزادیٔ اظہار رائے کے بنیادی حقوق' کے منافی ہونے کا واویلا کیا۔ امریکہ اور یورپ میں متحرک قادیانی تنظیموں نے اپنے مربی و سرپرست مغرب کو متاثر کرنے کے لیے اسے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ڈکلریشن کی خلاف ورزی قرار دیا۔ مغرب کا مذہب بیزار طبقہ، جو 'انسانی حقوق' کے مغربی 'ورژن' کو گذشتہ چند عشروں سے اپنا 'دین ومذہب' سمجھے ہوئے ہے، پر اس بے بنیاد پراپیگنڈے کا فوری اثر ہوا۔ ویسے بھی مغربی صیہونی لابی اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بدنام کرنے کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہے اور برطانوی استعمار کے 'کاشت کردہ' قادیانی پودے کی حفاظت کے لیے اپنے وسائل کا بے دریغ استعمال کرنا فرضِ عین سمجھتی ہے۔ مغرب کی پاکستان دشمنی عاصمہ جہانگیر جیسے اسلام دشمن افراد کے لیے اپنے فریب کا جال بچھانے میں بے حد حوصلہ افزا ثابت ہوئی۔

قانونِ توہین رسالت کی مخالفت

عاصمہ جہانگیر نے مغربی سرپرستوں کی آشیر باد کے ساتھ جسٹس (ر) دراب پٹیل کے ساتھ مل کر ۱۹۸۷ء میں 'پاکستان انسانی حقوق کمیشن' کی داغ بیل ڈالی۔ قادیانی حقوق کا تحفظ اس کمیشن کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ اپریل ۱۹۸۷ء میں عاصمہ جہانگیر نے نام نہاد انسانی حقوق کمیشن کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''کمیشن کو نہ صرف ۱۹۷۳ء کے آئین میں مندرجہ انسانی حقوق کی بازیابی کی جدوجہد کرنی ہے، بلکہ پاکستان میں اقوام متحدہ کے چارٹر میں درج کیے گئے انسانی حقوق کا آئیڈیل حاصل کرنا ہے۔ کمیشن کو بہت سے ایسے قوانین کو منسوخ کرانے کی کوشش بھی کرنا ہوگی جو یک طرفہ ہیں۔ اُنہوں نے اس ضمن میں حدود آرڈیننس، قانونِ شہادت میں مرد وعورت کی حیثیت، غیر مسلموں کو مسلمانوں کی شہادت اور عورت کو مرد کی گواہی پر سزا، قادیانیوں اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے والا قانون، قانونِ توہین رسالت اور جداگانہ انتخابات جیسے قوانین کا ذکر کیا۔'' (نوائے وقت : ۲۵ اپریل ۱۹۸۷ء)

۱۹۸۶ء میں قانونِ توہین رسالت کے نفاذ کے بعد عاصمہ جہانگیر کی طرف سے شدید جذباتی ردِّعمل سامنے آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس قانون کو ختم کرانا اس کی زندگی کا اہم ترین نصب العین ہے۔ اس نے انسانی حقوق کمیشن کے انسانی و مادی ذرائع کو اس مقصد کے حصول میں بھرپور استعمال کیا۔ کمیشن کی طرف سے جاری کی جانے والی سالانہ رپورٹوں کے علاوہ سیمی نار، انٹرویو اور جلسے جلوسوں کے ذریعے اس نے اس قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' اور مغرب میں انسانی حقوق کی دیگر تنظیموں سے قریبی تعلقات استوار کرتے ہوئے ان اداروں کی طرف سے پاکستانی حکومت پر ۲۹۵۔سی کو واپس لینے کے لیے دباؤ ڈلوایا۔

۱۹۸۷ء سے لے کر آج تک 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' کی ایک بھی سالانہ رپورٹ ایسی نہیں ہے جس میں پاکستانی قادیانیوں کے انسانی حقوق کی پامالی پر مبنی بے بنیاد، من گھڑت اور شرانگیز واقعات کی داستانوں کا طویل تذکرہ اور پاکستانی حکومت سے احمدیوں کے حقوق کے تحفظ کا مطالبہ شامل نہ ہو۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹوں کے گہرے مطالعے کے بعد یہ اندازہ کرنا زیادہ مشکل امر نہیں ہے کہ ان رپورٹوں کا اصل ماخذ ومصدر عاصمہ جہانگیر کی زیر سرکردگی کام کرنے والا ''انسانی حقوق کمیشن'' ہے۔ انسانی حقوق کمیشن اور ''ایمنسٹی انٹرنیشنل'' کی رپورٹوں میں حیران کن حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ ۱۹۹۴ء میں 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' کی رپورٹ کا ایک مفصل باب قادیانیوں کے بارے میں تھا، جس کا ترجمہ قادیانی رسالہ 'الفضل' نے اپنی یکم جولائی ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں 'پاکستان میں جماعت احمدیہ پر مظالم کے سلسلے میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ' کے عنوان سے شائع کیا۔ اس رپورٹ میں ۲۹۵۔سی، ۲۹۵۔بی اور ۲۹۵۔سی کا مفصل ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد حکومت پاکستان سے سفارشات کی گئی ہیں کہ: ''ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بارہا حکومتِ پاکستان سے احمدیوں کے انسانی حقوق کی پامالی کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ستمبر ۱۹۹۱ء میں ایمنسٹی نے ایک رپورٹ ''پاکستان میں احمدیوں کے انسانی حقوق کی پامالی'' شائع کی، جس میں جماعتِ احمدیہ کے افراد پر اپنے مذہبی حقوق کی پرامن طور پر ادائیگی کے نتیجے میں مقدمہ بازی کے جاری رہنے اور جیل کی سزائیں دینے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہمیں اس بات پر تشویش ہے کہ پاکستان میں نت نئی کڑی قانون سازی کی وجہ سے جماعتِ احمدیہ کے افراد کو محض اظہار رائے کی آزادی اور مذہبی آزادی کے حق کو استعمال کرنے کی وجہ سے گرفتار کیا جاسکتا اور پھانسی کی سزا دی جاسکتی ہے۔''

اس رپورٹ کا یہ جملہ ملاحظہ کیجیے: ''توہین رسالت یا بعض گروہوں کے مذہبی جذبات کے مجروح کرنے کی مقرر کردہ سزا میں تبدیلی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے، جس کے خلاف اس دفعہ کے تحت مقدمہ دائر کیا جاتا ہے۔ تاہم خاص طور پر جماعتِ احمدیہ کے افراد کئی سالوں سے اس قانون کی وجہ سے مصیبتیں سہہ رہے ہیں۔''

یہ طرفہ تماشا ہے کہ پاکستان میں انسانی حقوق کمیشن، جس کے اہم عہدیداروں کی اکثریت کا تعلق قادیانی فرقے سے ہے، کی طرف سے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو یہ بنی بنائی رپورٹیں ارسال کی جاتی ہیں اور جب یہ رپورٹیں لندن سے شائع ہوتی ہیں تو پاکستان میں قادیانی لابی انسانی حقوق کے نام پر ان کی بھرپور تشہیر کرتی ہے۔ پاکستانی حکومت پر بے جا دباؤ کے قابل مذمت ہتھکنڈے شروع کر دیے جاتے ہیں۔ پاکستان انسانی حقوق کمیشن عملاً مغربی صیہونی لابی کی اسلام دشمن تنظیموں کے ذیلی ادارے کے طور پر کام کر رہا ہے۔

سلامت مسیح کیس اور عاصمہ جہانگیر

نومبر ۱۹۹۳ء میں سیکولر مزاج پیپلز پارٹی کے دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد عاصمہ جہانگیر کی توہین رسالت کے قانون کے خلاف سرگرمیوں میں یکدم شدت پیدا ہوگئی۔ وزیراعظم بےنظیر بھٹو سے ذاتی مراسم کو اُس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔ ۱۹۹۴ء میں جب سلامت مسیح اور رحمت مسیح پر توہین رسالت کا مقدمہ قائم ہوا تو عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی اپنی روایت کے عین مطابق میدانِ عمل میں کود پڑیں اور بعض مسیحی راہنماؤں اور سیکولر صحافیوں کی جماعت کے تعاون سے اس مقدمے کو پاکستانی پریس میں تشہیر دی۔ یک طرفہ جارحانہ بیان بازی میں حقائق کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے بھی اس معمولی مسئلے کو غیر معمولی طور پر اُچھالا، اور وہ ادھم مچایا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ عاصمہ جہانگیر اور حنا جیلانی مغربی ذرائع ابلاغ کی آنکھ کا تارا بنی ہوئی تھیں۔ آئے دن ان کے انٹرویو اور بیانات سی این این، بی بی سی اور مغربی اخبارات کی زینت بن رہے تھے۔

عاصمہ جہانگیر نے قانونِ توہین رسالت کو بار بار انسانی حقوق کے منافی اور فتنہ قرار دینے کا عمل جاری رکھا، لیکن اس کی اپنی اس فتنہ پردازی کا نوٹس کوئی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی مسرت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی

تھی، جب ان ہی دنوں پاکستان کی خاتون وزیر اعظم نے گوجرانوالہ میں ایک عوامی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اس کے موقف کی تائید کرتے ہوئے قانونِ توہین رسالت کو انسانی حقوق سے متصادم قرار دیا۔ سلامت مسیح کو جرم ثابت ہونے پر ایڈیشنل سیشن جج گوجرانوالہ نے موت کی سزا سنائی، لیکن جلد ہی حکومت کی مداخلت پر اسے ضمانت پر رہائی مل گئی۔ برطانوی وزیر اعظم جان میجر کے مشیر فلپ جے پارہم نے جان میجر کی طرف سے پاکستان یونائیٹڈ کرسچین کے سربراہ جارج فیلکس کے نام خط میں پاکستانی وزیر اعظم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تحریر کیا:

''اگرچہ سلامت مسیح پر مذہبی توہین کا الزام برقرار ہے، مگر یہ بات حوصلہ افزا ہے کہ وزیر اعظم بے نظیر کی ذاتی مداخلت کی بنا پر سلامت مسیح کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔'' (روزنامہ جنگ ۱۹ اگست ۱۹۹۴ء)

سلامت مسیح اور رحمت مسیح نے سزائے موت کے خلاف جب لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی تو عاصمہ جہانگیر اور مغرب زدہ لابی نے 'پریس ٹرائیل' کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ بقول مولانا زاہد الراشدی: ''ہائی کورٹ میں جس تیز رفتاری کے ساتھ اپیل کے مراحل طے کیے گئے اور جو طریق کار اختیار کیا گیا، اس کی روشنی میں ملزموں کی بریت، رہائی اور بیرونِ ملک روانگی پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ سلامت مسیح کیس کے بعد پہلی مرتبہ عاصمہ جہانگیر کے مغربی مسیحی تنظیموں سے گہرے مراسم منظر عام پر آئے۔ اس مقدمے میں مغربی ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی دلچسپی نے عاصمہ جہانگیر کے لیے پاکستان میں مسیحی تنظیموں کے ساتھ اشتراک عمل کا راستہ ہموار کیا۔ اس نے بعض مسیحی راہنماؤں کو قانونِ توہین رسالت کے خلاف تحریک چلانے پر آمادہ کیا۔ اب اس نے توہین رسالت کے مرتکب مسیحی نوجوانوں کے مقدمات میں غیر معمولی دلچسپی لینا شروع کی۔ آن جہانی بشپ جان جوزف کی مبینہ خودکشی کے بعد بعض مسیحی گروہوں کی طرف سے پر تشدد مظاہروں کے پس پشت دیگر عناصر کے ساتھ ساتھ عاصمہ جہانگیر کا کردار خاصا اہم رہا ہے۔ یہ کردار کس قدر منفی تھا، چیف بشپ کیتھ کے اخباری انٹرویو سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۱ مئی ۱۹۹۸ء کو ایک انٹرویو میں چیف بشپ کیتھ عاصمہ جہانگیر کے منفی کردار پر یوں تبصرہ کیا: ''چیف بشپ کیتھ نے دکھ کا اظہار کیا کہ عاصمہ جہانگیر جیسے انسانی حقوق کے علم بردار پاکستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ مسیحی افراد سمیت دیگر بشپ حضرات کو بھی غلط گائیڈ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ عاصمہ جہانگیر پاکستان میں عیسائیوں کے مقدمات تو مفت لڑتی ہیں اور کوئی فیس نہیں لیتیں، لیکن اُنہیں باہر سے 'لمبے پیسے' مل جاتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ فرانسس جوزف جیسے لوگ عاصمہ جہانگیر اور ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کے پروردہ ہیں۔ فرانسس جوزف جو نہایت غریب آدمی تھا، ایم سی اے لاہور میں ایک چپڑاسی کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ الیگزینڈر جان ملک نے اسے گاڑی اور پیسوں کے ناجائز استعمال کے سلسلے میں وہاں سے نکال دیا تھا اور آج وہ عاصمہ جہانگیر کی بدولت کئی لاکھ کی گاڑی میں پھر رہا ہے، اس نے اپنے بچوں کی شادی پر رائے ونڈ میں لاکھوں روپے خرچ کیے۔ ایسے بہت سے لوگ عاصمہ جہانگیر اور دوسرے لوگوں کے آلہ کار ہیں اور پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔''

روزنامہ 'خبریں' میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق، انہوں نے کہا کہ ''وہ دفعہ ۲۹۵۔سی کے تحت دی جانے والی سزاؤں کے بارے میں پریشان ہیں اور جلد ہی عاصمہ جہانگیر کے ذریعے اس سلسلے میں اعلیٰ عدالتوں میں درخواستیں دائر کریں گے۔''

۱۳ مئی ۱۹۹۸ء کے 'نوائے وقت' میں چیف بشپ کیتھ لیزی کا یہ بیان شائع ہوا: ''بشپ جوزف کے قتل کے پیچھے امریکی ڈالر اور عاصمہ جہانگیر کے چہرے ہیں۔ اسی دن عاصمہ جہانگیر کے خواتین محاذ عمل کی طرف سے اخبارات میں یہ بیان شائع ہوا: ''خواتین محاذ عمل نے توہین رسالت کا قانون فوری طور پر ختم کرنے کا مطالبہ کیا ہے اور خاص طور پر اس کے آرٹیکل ۲۹۵۔اے سے ڈی تک کو ختم کرنے پر زور دیا ہے، کیونکہ یہ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر نے کہا ہے کہ بشپ جان جوزف کی خودکشی سے پاکستان میں اقلیتوں میں پائی جانے والی بے چینی کی شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کمیشن پاکستان میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو اپنی حمایت کا یقین دلاتا ہے۔''

آنجہانی بشپ جان جوزف کی آخری رسوم میں شریک عیسائیوں سے خطاب کرتے ہوئے عاصمہ جہانگیر نے یہ اشتعال انگیز بیان داغا: ''۲۹۵۔سی اور کتنی جانیں لے گا۔ اقلیتوں کے خلاف اس امتیازی قانون کو ختم کیا جائے۔''

انسانی حقوق کمیشن کے ڈائریکٹر آئی اے رحمٰن (قادیانی) نے جائنٹ ایکشن کمیٹی فار پیپلز رائٹس کے سیمی نار میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''توہین رسالت سے متعلق قانون کی دفعہ۔سی مکمل طور پر غیر اسلامی ہے۔ صرف جاہل مولوی اس قانون کی حمایت کر رہے ہیں، اکثریت توہین رسالت قانون کی حامی نہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے نظریات مکمل طور پر سیکولر تھے۔''

کمیشن کا سربراہ آئی اے رحمٰن مسلمہ طور پر قادیانی ہے اور عاصمہ جہانگیر کے قادیانی ہونے میں بہت کم لوگوں کو شک ہے۔ اس کا ہر قول و فعل اسلام کی مخالفت پر مبنی ہے۔ وہ ایک قادیانی کے نکاح میں ہے، اس پر نہ تو اسے کوئی شرمندگی ہے اور نہ ہی ایک غیر مسلم کی منکوحہ ہونے سے اس کے اسلام پر فرق پڑتا ہے۔

عاصمہ جہانگیر اور اس کے ہم خیال بدبخت دانش وروں کا پورا زور اس بات پر ہے کہ ۲۹۵۔سی کو ختم کر دیا جائے، حالانکہ یہ بات وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام الانبیا، علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حرمت و ناموس پر کٹ مرنا ہر مسلمان کی زندگی کی آرزو ہے۔ یہ محض بیس فی صد مولویوں کی بات نہیں، یہ مسلمانوں کے بچے بچے کے دل کی آواز ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب خبیث مجرموں کی سزا صرف موت ہے۔ اب تحفظ ناموس رسالت کے قانون کو ختم کرنے کے لیے اشتراکی اور قادیانی ٹولے کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوگا، نہ پردوں میں چھپ کر وار کرنے سے ان کے مکروہ چہرے چھپ سکیں گے۔ یہ قائد اعظم کو سیکولر کہتے ہیں، جبکہ قائد اعظم سچے محبِ رسولؐ تھے۔ وہ اپنی تمام مصروفیات کو چھوڑ کر شاتم رسول کے خلاف مقدمے کی پیروی کرنے کے لیے بمبئی سے لاہور تشریف لائے تھے۔ یہ اللہ کے رسول کے دشمن قائد اعظم پر الزام لگانے کی جسارت کیسے کرتے ہیں کہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اُنہوں نے لنکنز اِن کا انتخاب محض اس لیے کیا تھا کہ اس کے دروازے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی دیگر قانون دانوں کے درمیان لکھا گیا تھا۔

عاصمہ جہانگیر جیسی فتنہ پرور خاتون قانون توہین رسالت کو 'فتنہ' قرار دے رہی ہے، اس کے نزدیک دفعہ ۲۹۵۔سی قابل گرفت ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر کب تک اس مغربی صہیونی لابی کی ایجنٹ عورت کو مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کا شغل جاری رکھنے کی کھلی چھوٹ ملی رہے گی؟ یہ سوال عاصمہ جہانگیر کے دل آزار بیانات سے زخم خوردہ و دل گرفتہ ہر مسلمان کی زبان پر ہے۔ مغرب کے ملحد و مرتد تنخواہ دار ایجنٹوں کی سرکوبی کے لیے تادیبی اقدامات کرنے کی سخت ضرورت ہے، تاکہ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو آئندہ مجروح نہ کر سکیں۔ نبی آخر الزمان کا ہر فدائی اور سچا پیروکار عاصمہ جہانگیر جیسی گستاخ رسول عورت کو پابند سلاسل دیکھنے کا متمنی ہے۔





کیا یہ صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا قانون ہے؟

محمد متین خالد

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ قانون صدر ضیاء الحق کا بنایا ہوا ہے، لہٰذا اسے ختم ہونا چاہیے۔ صدر ضیاء الحق کی دشمنی کی آڑ میں قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت عجیب بات ہے۔ ہمیں سب سے پہلے اس قانون کے بننے کی وجہ معلوم کرنی چاہیے۔ ۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کی شام اسلام آباد کے ہوٹل میں ایک سیمی نار کے دوران انسانی حقوق کمیشن کی چیئر پرسن (سپریم کورٹ بار کی سابق صدر) عاصمہ جہانگیر ایڈوکیٹ نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت توہین آمیز اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ میرا قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ ناپاک الفاظ یہاں رقم کروں۔ عاصمہ جہانگیر کی شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخی کے ارتکاب پر راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے معزز اراکین جناب عبادالرحمٰن لودھی ایڈوکیٹ او رجناب ظہیر احمد قادری ایڈوکیٹ نے سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ ان توہین آمیز الفاظ کو واپس لے کر اس گستاخی پر معافی مانگے۔ عاصمہ جہانگیر کے انکار اور اپنے الفاظ پر مسلسل اصرار پر سیمی نار میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اگلے دن جب اس واقعے کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو پورے ملک میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ فوری طور پر توہین رسالت کی سزا نافذ کی جائے اور اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ دریں اثنا ان ہی دنوں عاصمہ جہانگیر نے برملا اعلان کیا کہ میرے شوہر طاہر جہانگیر قادیانی ہیں۔ میں اس سلسلے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ ہم سے بہت بہتر ہیں۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۲۶ جون ۱۹۸۶ء)

عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر کا نوٹس سب سے پہلے قومی اسمبلی میں، اسلامی جذبے سے سرشار خاتون ایم۔این۔اے محترمہ نثار فاطمہ نے لیا اور انہوں نے وہاں پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی کہ عاصمہ جہانگیر کے ان توہین آمیز الفاظ کے خلاف حکومت فوری ایکشن لے، لیکن چوں کہ اس وقت تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت کے جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی، اس لیے اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہ ہو سکی۔ بعد ازاں محترمہ آپا نثار فاطمہ نے قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کیا جس میں توہین رسالت کی اسلامی سزا، سزائے موت تجویز کی گئی۔ اراکین قومی اسمبلی کی بھاری اکثریت نے اس بل کو منظور کیا، اس طرح تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵-سی کا اضافہ کیا گیا، جس کی رُو سے اگر کوئی شخص زبانی یا تحریری الفاظ کے ذریعے یا واضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی یا بذریعہ طعن آمیز اشارے، کنائے، براہ راست یا بالواسطہ طور پر حضور نبی کریم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی بے حرمتی کرتا ہے، سزائے موت کا مستوجب ہوگا یا اسے تاحیات سزا دی جائے گی اور اسے جرمانہ بھی کیا جا سکے گا۔ اس قانون میں دو سزائیں تجویز کی گئیں، سزائے موت یا عمر قید کی سزا۔ حالانکہ محترمہ آپا نثار فاطمہ کی طرف سے پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے بل میں توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا صرف سزائے موت تجویز کی گئی تھی، مگر وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کی گئی کہ شاتم رسول کی سزا، سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔ اس طرح تعزیرات پاکستان میں ۲۹۵-سی کا اضافہ کر دیا گیا۔ چوں کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا عمر قید اسلامی قانون کے خلاف تھی۔ لہٰذا سپریم کورٹ کے سینئر ایڈوکیٹ، مجاہد تحفظ ناموس رسالت جناب محمد اسماعیل قریشی نے اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا کہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا بطور حد سزائے موت ہے اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں، بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی سوئی کی نوک کے برابر کمی یا اضافہ

۱۷ مئی ۱۹۸۶ء کی شام اسلام آباد کے ہوٹل میں ایک سیمی نار کے دوران انسانی حقوق کمیشن کی چیئر پرسن (سپریم کورٹ بار کی سابق صدر) عاصمہ جہانگیر ایڈوکیٹ نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضور خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہایت توہین آمیز اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے۔ میرا قلم اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں وہ ناپاک الفاظ یہاں رقم کروں۔

کرنے کا اختیار نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمے کی باقاعدہ سماعت نومبر ۱۹۸۹ء کو شروع ہوئی۔ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فل بنچ جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس، جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی، جناب جسٹس عبادت یار خاں، جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھیم اور جناب جسٹس فدا محمد خان پر مشتمل تھا۔ عدالت نے خاصے عرصے تک اس درخواست کی سماعت کی اور متعدد اسکالروں، تمام مسالک کے جید علمائے کرام او راس موضوع پر دسترس رکھنے والے سینئر قانون دانوں کو بھی طلب کیا، تاکہ وہ اس موضوع پر اپنی آرا پیش کر کے عدالت کی قانونی معاونت کریں۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو عدالت نے اس درخواست کا متفقہ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے قرار دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا ان کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم میں متبادل سزا تاحیات قید، اسلام کی واضح نصوص (قرآن وسنت کے احکام) کے منافی ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ دفعہ ۲۹۵سی میں تاعمر قید کا لفظ توہین رسالت کے حوالے سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اس لیے صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور یا عمر قید کے الفاظ ختم کریں اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور کیے جائیں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا؛ چناں چہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہوسکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں توہین رسالت کی سزا، سزائے موت کو قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کردہ اور درست قرار دیا۔ (PLD-1991 FSC-10) یاد رہے کہ پاکستان کے آئین کی دفعہ ۲۰۳۔ڈی کے تحت وفاقی شرعی عدالت ہی اس امر کی مجاز ہے کہ وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے۔ آئین کی شق ۲۰۳۔ڈی کے مطالعہ کے بعد اس سلسلے میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس آئینی شق میں کہا گیا ہے: ''عدالت ازخود نوٹس پر یا پاکستان کے کسی شہری کی پٹیشن پر یا وفاقی یا کسی صوبائی حکومت کی پٹیشن پر یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی روشنی میں کسی بھی قانون یا اس کی شق کے اسلام کے مطابق یا اسلام سے متصادم ہونے کا فیصلہ کر سکے۔''

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان کی پارلیمنٹ قوانین وضع کرنے، ان پر نظر ثانی

۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو عدالت نے اس درخواست کا متفقہ فیصلہ سنایا۔ عدالت نے قرار دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یا ان کے اسم مبارک کی بے حرمتی کے جرم میں متبادل سزا تاحیات قید، اسلام کی واضح نصوص (قرآن وسنت کے احکام) کے منافی ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ دفعہ ۲۹۵سی میں تاعمر قید کا لفظ توہین رسالت کے حوالے سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اس لیے صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں اور یا عمر قید کے الفاظ ختم کریں اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر اس کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم متصور کیے جائیں گے اور صرف سزائے موت، ملک کا قانون بن جائے گا؛ چناں چہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہو سکا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہو گئے۔

کرنے، ان میں ترمیم کرنے، ان کی تنسیخ کرنے کے وسیع تر اختیارات رکھتی ہے۔ پارلیمانی طریقہ کار اور قانون سازی کی روایات کے مطابق پارلیمنٹ کی طرف سے وضع کردہ قانون توہین رسالت کئی دہائیوں سے نافذ العمل ہے اور آئینی عدالت کے کڑے معیار پر پورا اتر چکا ہے۔ یہ کہنا کہ قرآن وسنت میں توہین رسالت کی سزا موت نہیں ہے، وفاقی شرعی عدالت اس اعتراض کا آئینی شق ۲۰۳۔ڈی کی ذیلی شق ۲ کے تحت پہلے ہی باریک بینی سے جائزہ لے چکی ہے اور اس کے فیصلے کی رو سے موجودہ قانون قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور قرار دیا گیا ہے کہ گستاخ رسول کے لیے موت کی سزا کے علاوہ کسی بھی قسم کی متبادل سزا اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوگی۔ آئین کی شق ۲۰۳۔ڈی کی ذیلی شق ۲ کی شق بی) کے تحت یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ ہو چکا ہے۔

حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی، اس فیصلے کو چیلنج نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس کا مقصد فیصلے کے بعض پہلوؤں کی وضاحت حاصل کرنا تھا۔ بعد ازاں حکومت نے سپریم کورٹ سے یہ اپیل واپس لے لی۔ بعض سیکولر اور قادیانی حضرات نے حکومت کے اس اقدام کو تنقید کا نشانہ بنایا اور اس سنگین جرم کے لیے صرف موت کی سزا قائم رکھنے پر اپنے ذہنی تحفظات کا اظہار کیا، لیکن ان لوگوں کے یہ ذہنی تحفظات عوامی سطح پر کوئی پذیرائی حاصل نہ کر سکے۔ نہ صرف رائے عامہ کے راہنماؤں نے، بلکہ منتخب اداروں اور قانون ساز اسمبلیوں نے بھی عوامی جذبات کو زبان دی۔

۲ جون ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی، جس میں حکومت سے کہا گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر صرف اور صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہیے۔ سینٹ نے بھی یہی راہ عمل اختیار کی۔ ۸ جولائی ۱۹۹۲ء کو سینٹ میں ترمیمی قانون متفقہ طور پر منظور کیا گیا، جس میں اس جرم کے لیے صرف موت کی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر عوام کی مرضی پر عمل کرنے کے اصول کا کچھ مقصد ہے، اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا متفقہ فیصلہ پاکستان کے عوام کے اجتماعی ضمیر کا اظہار ہے تو یہ قانون ہماری قومی تاریخ میں ایک سب سے زیادہ عوامی قانون تسلیم کیا جانا چاہیے۔ افسوس ہے کہ اس قانون کے مخالفین (قادیانی اور سیکولر حضرات) پارلیمنٹ کے اس متفقہ فیصلے کو تسلیم کرنے سے یکسر انکاری ہیں، بلکہ وہ اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کی اکثریت کے مذہبی جذبات کو رائی برابر بھی وقعت نہیں دیتے، بلکہ اس قانون پر تنقید کرتے ہوئے بعض دفعہ ایسی دل آزار اور اشتعال انگیز گفت گو کرتے ہیں جس سے لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سابق وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ حالاں کہ قادیانیوں کو ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء (وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی موجودگی میں) ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس طرح قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم صدر ضیاء الحق نے نہیں، بلکہ ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر بنایا۔ سیکولر اور بے دین عناصر اس قانون کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک آمر ضیاء الحق کے دور میں بنا، ان سے پوچھنا چاہیے کہ عائلی قوانین بھی تو ایک آمر صدر ایوب خاں کے دور میں بنائے گئے تھے، آپ اس کی مخالفت تو نہیں کرتے۔ مزید ان بزرجمہروں سے یہ بھی دریافت کرنا چاہیے کہ کیا صدر ضیاء الحق کے دور میں بنائے گئے دیگر تمام قوانین ختم ہو گئے ہیں یا ان پر اب بھی من وعن عمل ہو رہا ہے؟ آپ انہیں ختم کرانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ آخر یہ تضاد بیانی او رمنافقت کیوں اور کب تک؟